



29
43

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً

وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ

۲۵ رجب ۱۴۰۴ھ
۲۷ اپریل ۱۹۸۴ء

۲/- روپے

احادیث الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ و تشریح ——— محمد سعید الرحمٰن علوی

امارت و امامت کے متعلق ہدایات

وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قَالَ کُنْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَلَا تَسْتَعْمِلُنِیْ قَالَ فَضَرَبَ بِیَدِہٖ عَلٰی مَنْکِبِیْ ثُمَّ قَالَ یَا اَبَا ذَرٍّ اِنَّکَ ضَعِیْفٌ وَاِنَّھَا اَمَانَۃٌ وَ اِنَّھَا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ خِزْیٌ وَّنَدَامَۃٌ اِلَّا مَنْ اَخَذَھَا بِحَقِّھَا وَاَدَّی الَّذِیْ عَلَیْہِ فِیْھَا۔ (رواہ مسلم)

اسلام چونکہ مکمل ضابطۂ حیات ہے ——— یہ بہت مشہور بات ہے اور بالعموم دہرائی جاتی ہے ——— امارت و سیاست کے سلسلہ میں بھی بڑی واضح ہدایات قرآن و سنّت میں موجود ہیں۔ ان میں سے ایک روایت یہ ہے جو آپ نے ملاحظہ فرمائی اور جسے امام مسلم قدس سرہٗ نے نقل کیا۔ اس کے راوی حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ——— نہایت درجہ زاہد و متقی صحابی ——— اس میں جو مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ بڑا اہم ہے ——— یعنی قومی اور جماعتی معاملات ان لوگوں کو سنبھالنے چاہئیں جو جسمانی قوت، ذہنی صلاحیتوں اور اس نوع کے معاملات میں نہایت مستحکم حیثیت کے مالک ہوں۔

قرآن عزیز میں طالوت کی بادشاہت کا اعلان ہے تو اس میں فرمایا گیا۔ بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ——— العلم میں بسط ہونے کا مفہوم یہی ہے کہ وہ شخص جس نوع کی ذمہ داریاں سنبھال رہا ہے اس میں ان ذمہ داریوں کے سنبھالنے کی صلاحیت ہو، علمی اعتبار سے، قوت فیصلہ و برداشت کے اعتبار سے اور مابقی اعتبارات سے وہ صحیح آدمی ہو ——— ایک شخص کو فوج کا جرنیل بنایا جاتا ہے۔ تو دیکھنا یہ چاہئے کہ وہ میدان کے اتار چڑھاؤ، جنگی فنون اور حرب و ضرب کے معاملات میں مہارت رکھتا ہے ——— عدل کی کرسی پر کوئی بیٹھتا ہے تو اس کا اس فن میں "تاک" ہونا ضروری ہے ——— الجسم میں بسط کا مفہوم ہاں جو شخص استحقاق کی بنیاد پر صاحب تن و توش ہونا ضروری نہیں بلکہ اعصاب کی مضبوطی مراد ہے۔ سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جسمانی اعتبار سے نحیف و نزار تھے لیکن قوت و شہامت کے اعتبار سے فولادی اعصاب کے مالک تھے ——— سیّدنا ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ زاہد و عابد اور شب بیدار قسم کے مالک انسان تھے ——— کارِ حکومت و سیاست کا بھاری پتھر ان سے اٹھنا ممکن نہ تھا۔ اس لئے جب رسول محترم نبی مکرم علیہ السلام سے انہوں نے یہ سوال کیا کہ کسی ذمہ داری کا بوجھ آپ مجھ پر کیوں نہیں ڈالتے اور مجھے کوئی کام کیوں نہیں سونپتے؟ تو نبی کریم علیہ السلام نے ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا۔ میاں! تم ضعیف و کمزور آدمی ہو اور امارت و حکومت یا کسی بھی قسم کی قومی، جماعتی یا مجلسی ذمہ داری ایک عظیم امانت ہے۔ اور قیامت کے دن یہ چیزیں رسوائی اور ندامت کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔

(باقی ۱۰ پر)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہفت روزہ خدام الدین لاہور



جلد ۲۹ • شمارہ ۴۳
۲۴ رجب المرجب ۱۴۰۴ھ • ۲۷ اپریل ۱۹۸۴ء

——— رئیس الادارہ ———
شیخ التفسیر حضرۃ مولانا عبیداللہ انور

——— مجلس ادارت ———
مولانا محمد اجمل قادری
محمد سعید الرحمٰن علوی
ظہیر میر ایم اے ایل ایل بی

اس شمارے میں

بدل اشتراک

سالانہ	ششماہی	سہ ماہی
۸۰/-	۴۵/-	۲۵/-

فی پرچہ ۲/- روپے

طابع: منہاج الدین اصلاحی • مطبع شرکت پرنٹنگ پریس لاہور
ناشر: مولانا عبیداللہ انور
مقام: اندرون شیرانوالہ دروازہ، لاہور

قوموں کے عروج و اقبال میں عقائد کی حیثیت

قوموں کے عروج و زوال کی داستانوں کا سلسلہ بہت طویل ہے۔ قرآن عزیز کے صفحات کو دیکھیں تو یہ سلسلہ دور دور تک پھیلا ہوا نظر آتا ہے اور قرآن کے علم تاریخ کے حوالہ سے جن حوصلہ مند لوگوں نے اس فن کو باقاعدہ فن کی شکل دے کر عظیم سرمایہ فراہم کیا۔ ان کی کتابوں کے صفحات سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں اسی داستان کے اردگرد پھیلے ہوئے ہیں ——— اس میں شک نہیں قومیں ابھرتی ہیں، تہذیبیں جوان ہوتی ہیں اور پھر دنیا سے ناپید بھی ہو جاتی ہیں ——— کہنے کو کہا جا سکتا ہے کہ ہر چیز کی طرح قوموں کی بھی عمر طبعی ہوتی ہے اور وہ اسے پورا کرنے کے بعد فنا کے گھاٹ اتر جاتی ہیں۔ بات کسی درجہ میں صحیح بھی، لیکن اسباب و عوامل کا معاملہ ایسا نہیں کہ انہیں نظرانداز کر دیا جائے ——— ان سے صرفِ نظر اور انہیں نظرانداز کرنا، حقیقت سے منہ موڑنا ہے۔ اور یہ کام وہی کر سکتا ہے جو عقل و شعور سے عاری ہے ——— عقل و خرد کے معاملہ میں کسی قسم کے دعوے کا تو ہم میں حوصلہ نہیں تاہم اللہ رب العزت نے اس نعمت سے جو کچھ حصّہ عطا فرمایا۔ اسے ہم نے اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر برتا اور استعمال کیا ——— اس کے نتیجہ میں ہم نے جو کچھ محسوس کیا اس کا خلاصہ کچھ اس طرح ہے کہ وہ مواد جس سے قوموں کا خمیر اٹھتا اور پروان چڑھتا ہے۔ وہ ہے عقیدہ کی لازوال دولت، بعض حضرات غایت درجہ سادگی یا تجاہل عارفانہ سے اس پر چیں بہ جبیں ہوتے ہیں کہ معاشرہ میں اعتقادی

بحثیں کیوں چھیڑی جاتی ہیں؟ ان کے بقول اس سے معاشرہ کی چولیں ڈھیلی ہوتی ہیں، معاشرہ کی وحدت متاثر ہوتی ہے اور معاشرہ کا امن لُٹتا ہے۔ ان سے پوچھیں کہ اعتقادی بحثیں نہ چھیڑیں تو پھر کیا کریں؟ آیا لوگوں کو یہ بات نہ بتلائیں کہ اللہ رب العزت اپنی ذات و صفات میں ایک ہے، اس کا کوئی ساجھی و شریک نہیں، پوری دھرتی کا خالق و مالک، اختیارات کلیہ کا محیط، ہر قسم کے نقص و عیب سے پاک، حاکم مطلق، سجدہ و عبادت کی مستحق صرف اسی کی ذات ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام اس کے بندے اور فرستادہ ہیں، گناہوں سے پاک، لوگوں کو دعوت دینے کے لئے مامور ——— اور ان سب کے آخری محمّد کریم علیہ السلام ہیں۔

سوال یہ ہے کہ ان حقائق کے اظہار سے، ان کی دعوت و اشاعت سے لوگ ناراض ہوتے ہیں تو ان کی تبلیغ چھوڑ دیں۔ ان کا تذکرہ بند کر دیں؟ یہ عجیب فلسفہ ہے ——— وہ کام جو انبیاء علیہم السلام نے کیا، جس کے لئے انہوں نے اپنی زندگیاں کھپائیں، جس مقصد کے لئے انہوں نے شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا پڑا اور اپنے جسم پہ پتھر سہنے پڑے ——— وہ کام ترک کر دیا جائے ——— کیوں کہ لوگ ناراض ہوتے ہیں ———

کوئی ناراض ہو تو سو بار، لیکن دن کو دن اور رات کو رات کہا جائے گا ——— عقیدہ توحید، رسالت اور ختم نبوّت پہ جن وجوہات سے زد پڑے گی، ان سے خلق خدا کو آگاہ کرنا اور اللہ کی مخلوق کو ان سے بچانے کی تدبیر بنیادی فرض ہے ——— کہ یہی چیزیں مسلم قومیت کا قوام ہیں ——— امت مسلمہ کی وجود کی تعمیر و تاسیس اور اس کا عروج و اقبال انہی حقائق سے وابستہ ہے ——— ان حقائق کو نظر انداز کر کے، ان کے معاملہ میں مداہنت کر کے اور دین اسلام کے سلسلے میں ان کی اہمیت کا احساس نہ کر کے۔ جو نقصان ہوتا ہے اس کا اندازہ وہ لوگ نہیں کر سکتے جن کے قلوب عقیدۂ توحید کی عظمت اور حضرات انبیاء علیہم السلام بالخصوص حضور ختمی مرتبت کے حقیقی احترام سے خالی ہو چکے ہیں ——— جن لوگوں نے مزارات و قبور پر ہونے والے شرکیہ اعمال و افعال سے آنکھیں موند رکھی ہیں اور عوام کے ہاتھوں صلحاء امت کی تذلیل اور ان کی تعلیم کے مجروح ہونے پر جنہیں ذرہ برابر خیال نہیں آتا۔ ان کا دین اسلام، سنّیت اور جماعت صحابہ سے کوئی تعلّق نہیں ہو سکتا ——— اور قابل صد احترام و تکریم ہیں وہ لوگ جنہیں اللہ تعالےٰ نے ان حقائق کی تبلیغ و دعوت کی توفیق بخشی۔ اور اس راستہ کی مشکلات کو سہارنے کی ہمت عطا فرمائی ———

فطوبیٰ للغرباء کی حدیث کے یہی مستحق ہیں۔ اہل سنت والجماعت اور سواد اعظم ہونے کا انہیں ہی شرف حاصل ہے ——— جماعت ناجیہ حقہ، طائفہ منصورہ اور حزب اللہ کہلانے کا حق انہیں ہی ہے ——— عقیدہ توحید و رسالت اور ختم نبوت کی حقیقی اہمیّت سے ناآشنا لوگ سوچیں کہ اسی قسم کا اعتراض مکہ معظمہ میں ان لوگوں نے محمّد کریم علیہ السلام پر کیا جن کے قلوب کفر و شرک کی تاریکیوں سے مسخ ہو چکے تھے۔ انہوں نے بھی معاشرہ کی وحدت توڑنے کا الزام اس آقائے کریم پر لگایا۔ جو جہنم کا ایندھن بننے والوں کو نیکی و تقویٰ کا راستہ دکھانے آیا تھا ——— اللہ کے ان گنت سلام ہوں اس یتیم مکہ اور مہاجر مدینہ پر، جس نے ہر ظلم سہہ کر اور ہر وار برداشت کر کے بھی اصلاح عقیدہ کی مہم

(باقی ۱۰ پر)

مجلسِ ذکر

ضبط و ترتیب : ادارہ

جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبّت ہمارا سب سے بڑا سرمایہ ہے

آپؐ کی توہین تو بڑی بات ہے، اس کا تصوّر کرنے والا بھی دائرۂ اسلام سے خارج ہے

پیر طریقت حضرت مولانا عبید اللہ انور دامت برکاتہم

محترم حضرات و معزز خواتین!

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالےٰ کی ہر نوع مخلوقات میں سب سے افضل و اشرف مخلوق انسان ہے ——— وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ ——— انسانوں کے بھی مختلف مدارج ہیں، ایک بنیادی تقسیم وہ ہے جس کا ذکر اللہ تعالےٰ نے خود ہی کیا کہ بعض لوگ اللہ کی جماعت ہیں تو بعض شیطان کی، حزب اللہ کے لئے فلاح و کامیابی اور غلبہ کی نوید ہے تو حزب الشیطان کے لئے خسران و ذلت کا اعلان۔ حزب اللہ میں سب سے بلند مرتبہ اس جماعت کا ہے جسے اللہ تعالےٰ اپنے مکالمہ سے نوازتے، ان کے قلوب کو وحی کا مہبط بناتے اور اپنی باقی مخلوق کی ہدایت کے لئے انہیں مامور کرتے ہیں۔ کئی مرتبہ عرض کیا کہ قرآن کے واضح ارشادات کی روشنی میں یہ جماعت جنس بشر سے تعلق رکھتی ہے لیکن بقول مولانا محمد اسمٰعیل دہلوی شہید بالاکوٹ قدس سرہٗ تمام انسانوں کے کمالات و محاسن کا جہاں اختتام ہوتا ہے وہاں سے نبی کی بشریت کی ابتدا ہوتی ہے ——— نبی معصوم ہوتا ہے اس سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ اس کی حفاظت و صیانت خود اللہ رب العزت کرتے ہیں۔ ہمارے آقا، ہمارے امام اور ہمارے سیّد و سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالےٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم اس سلسلہ کی آخری کڑی تھے آپؐ خاتم النبیین ہیں خاتم المعصومین ہیں ——— اللہ تعالےٰ کے نزدیک نبی کا اتنا بڑا مقام ہے کہ اس کی اطاعت کو خود اللہ تعالےٰ نے اپنی اطاعت قرار دیا۔ اپنی اطاعت کے ساتھ جا بجا اس کی اطاعت کا حکم دیا۔ اس کے فیصلوں کو بلا چون و چرا مان لینے کو ایمان کے لئے لازم قرار دیا۔ جس چیز کا وہ حکم دے اسے ماننے اور جس سے روکے اس سے رک جانا ضروری بتایا۔ اپنی محبت کے حصول کے لئے نبی کی اتباع بنیاد قرار دی۔ نبی کی مجلس پاک میں اونچی آواز سے بولنے کو اعمال کی بربادی کا باعث بنایا اور لوگوں کو اس پر صلاۃ و سلام پڑھنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں خود اور میرے فرشتے بھی اس پر صلاۃ و سلام بھیجتے ہیں۔

انداز لگائیں کہ کتنا عظیم مقام ہے نبی کا اور کتنا بلند مرتبہ ہے اس ذات اقدس کا ——— صحابہؓ کے قلوب میں اس ذات محترم کی جو عظمت تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ نبیؐ وضو فرماتے تو پانی زمین پر نہ گرنے دیتے۔ نبیؐ کے کٹے ہوئے بال اور

خطبہ جمعہ

ضبط وترتیب : علوی

نا اتفاقی اور باہمی انتشار ایک طرح کا عذاب ہے

——حکمران اور علماء قوم کو اس مصیبت سے نکالیں——

جانشین شیخ التفسیر حضرت مولانا عبید اللہ انور مدظلہ العالی

بعد از خطبہ مسنونہ :۔

اعوذ باللہ من الشیطن الرّجیم : بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم :۔

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ...... لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ۔ صدق اللہ العلی العظیم ۔

محترم حضرات ! و معزز خواتین ! سورۃ الانعام کی اس آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے :۔

"تو کہہ ، اُسی کو قدرت ہے اس پر کہ بھیجے تم پر عذاب ، اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا بھڑا دے تم کو مختلف فرقے کرکے اور چکھا دے ایک کو لڑائی ایک کی ، دیکھ کس طرح سے ہم بیان کرتے ہیں آیتوں کو تاکہ وہ سمجھ جاویں۔"

(حضرت شیخ الہند رح)

اتفاق و نا اتفاقی

محترم حضرات ! اس میں کوئی شک نہیں کہ اتفاق باعث برکت ہے اور نا اتفاقی باعث ذلت و خواری و پریشانی —— اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اس دھرتی پر ہزاروں ہزار انبیاء تشریف لائے ۔ ان سب کی تعلیم کا منبع وحی الٰہی تھی ۔ اس لئے انبیاء کے متعلق تو دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ ان میں سے کسی نے نا اتفاقی کو خیر کا ذریعہ معاذاللہ کہا ہو —— یہ ناممکن ہے ، ایسا کبھی نہیں ہو سکتا ۔ قرآن جو تمام آسمانی کتابوں کا جامع ہے ، اس کی شہادت یہی ہے کہ اتفاق خیر کا باعث ہے ۔ لیکن اگر باقی دنیا کے اہل عقل و دانش کو دیکھیں اور ان کی تعلیمات کا جائزہ لیں تو اپنے ہزار غلط عقائد و نظریات کے وصف سبھی آپ کو یہی کہتے نظر آئیں گے کہ اتفاق اچھا ہے ۔ یہ جتنی بڑی نعمت ہے اس کا اندازہ سورۂ انفال کی اس آیت سے ہو سکتا ہے جس میں ارشاد ہے :

" کافروں کے ساتھ صلح بشرطیکہ ان کی خواہش ہو اللہ تعالیٰ نے پسندیدہ امر قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر تمہیں ان کے دغا اور فریب کا ڈر ہے تو اللہ رب العزت تمہیں کافی ہے —— اللہ کون ہے ؟ اور اس نے کیا کیا ؟

اسی نے تجھ کو زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا اور الفت ڈال دی ان کے دلوں میں ، اگر تو (اے نبی !) خرچ کر دیتا جو کچھ زمین میں ہے سارا ، نہ الفت ڈال سکتا ان کے دلوں میں ، لیکن اللہ نے الفت ڈالی ان میں ، بیشک وہ زور آور ہے حکمت والا ۔

بقول مولانا عثمانی رح :۔

" اسلام سے پہلے عرب میں جدال و قتال اور نفاق و شقاق کا بازار گرم تھا —— ان حالات میں حضرت نبی کریم علیہ السلام توحید و معرفت اور اتحاد و اخوت کا عالمگیر پیغام لے کر مبعوث ہوئے ۔ لوگوں نے انہیں بھی ایک فریق ٹھہرا لیا ۔ اور سب نے مل کر خلاف و شقاق کا رخ اُدھر پھیر دیا —— دنیا کی کوئی طاقت نہ تھی جو درندوں کی بھیڑ اور بھائم کے گلہ میں معرفت الٰہی اور حُبِّ نبوی کی روح پھونک کر اور شرابِ توحید کا متوالا بنا کر سب کو ایک دم اخوت و الفتِ باہمی کی زنجیر میں جکڑ دیتی اور اس مقدس ہستی کا درم ناخریدہ غلام اور عاشق جاں نثار بنا دیتی ۔ جس سے زیادہ چند روز پہلے ان کے نزدیک کوئی مبغوض ہستی نہ تھی ۔ بلاشبہ روئے زمین کے خزانے خرچ کرکے بھی یہ مقصد حاصل نہ کیا جا سکتا تھا جو اللہ کی رحمت و اعانت سے ایسی سہولت کے ساتھ حاصل ہو گیا ۔ خدا نے حقیقی بھائیوں سے زیادہ ایک کی الفت دوسرے کے دل میں ڈال دی ۔"

اندازہ فرمائیں ۔ کتنی عظیم نعمت ہے اور اس نعمت اتفاق کا فیضان کس طرح ہُوا ؟ لیکن جب اللہ رب العزت کی نگاہ کرم پھرتی ہے اور شامت اعمال کے سبب خرابی پیدا ہوتی ہے تو پھر وہ شکل پیدا ہوتی ہے جس کا آپ نے ابتدا میں ذکر سنا کہ رب العزت ناراض ہو کر عذاب کی مختلف شکلیں پیدا کر دیتے ہیں ۔

حضرت مولانا عثمانی قدس سرہ نے سورۂ الانعام کی آیت کے ضمن میں لکھا :۔

" کہ اللہ رب العزت کے امہال و درگذر کو دیکھ کر مامون اور بے فکر نہ ہونا چاہئے ۔ جس طرح وہ شدائد و مصائب سے نجات دے سکتا ہے ۔ اسے یہ بھی قدرت ہے کہ کسی قسم کا عذاب تم پر مسلط کر دے —— (اس عذاب کی یہاں تین شکلیں ارشاد فرمائی گئیں) جو اوپر سے آئے جیسے پتھر برسنا ، یا طوفانی ہوا یا بارش ۔ جو پاؤں کے نیچے سے آئے جیسے زلزلہ یا سیلاب وغیرہ ۔ یہ دونوں خارجی اور بیرونی عذاب ہیں جو اگلی قوموں پر مسلط کئے گئے — حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و اصحابہ وسلم کی دعا سے اس امت کو اس قسم کے عام عذاب سے محفوظ کر دیا گیا ہے یعنی اس قسم کا عام عذاب جو گذشتہ اقوام کی طرح اس امت کا استیصال کر دے ، نازل نہ ہوگا ۔ جزئی اور خصوصی واقعات اگر پیش آئیں تو اس کی نفی نہیں ۔ ہاں تیسری قسم عذاب کی جسے اندرونی اور داخلی عذاب کہنا چاہئے ۔ اس امت کے حق میں باقی رہی ہے اور وہ پارٹی بندی ، باہمی جنگ و جدل اور آپس کی خونریزی کا عذاب ہے —

موضح قرآن میں ہے (حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نے لکھا) کہ قرآن شریف میں اکثر کافروں کو عذاب کا وعدہ دیا یہاں کھول دیا — کہ عذاب وہ ہے جو اگلی امتوں پر آیا ، آسمان سے یا زمین سے اور یہ بھی ہے کہ آدمیوں کو آپس میں لڑا دے اور ان کو قتل یا قید یا ذلیل کرے ۔ حضرت نبی کریم علیہ السلام نے سمجھ لیا کہ اس امت پر یہی عذاب ہو گا ۔ عذاب الیم ، عذاب مھین ، عذاب شدید اور عذاب عظیم ان ہی باتوں کو فرمایا ہے اور آخرت

کا عذاب بھی ہے، ان پر جو کافر ہی مرے۔

عذاب کی تیسری قسم

حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے حوالہ سے تفصیلی نوٹ اور حاشیہ آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ آسمان کا عذاب، زمین کا عذاب یہ تو ہر کسی کو سمجھ آ سکتا ہے یہ تیسری قسم غایت درجہ تباہ کن ہے اور بقول شاہ عبدالقادر صاحب الیم، مھین، عظیم اور شدید اسی کو کہا گیا ہے۔ گویا اللہ رب العزت جب ناراض ہوتے ہیں تو پارٹی بازی، گروہ بندی، افتراق و انتشار اور آپ کا جھگڑا وجدل اس قوم کا مقدر بن جاتا ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تو نزاع اور جھگڑوں کے سبب قوم کی ہوا اکھڑ جاتی ہے۔ اس کا رعب ختم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ سورۃ انفال میں ارشاد ہے ۔۔۔ اور ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ تم بے وقعت اور کمزور ہو جاؤ گے اندازہ کریں کتنی بڑی مصیبت ہے فرقہ بندی، پارٹی بازی، باہمی انتشار اور جھگڑے۔

تاریخی حقائق

اور پھر تاریخی حقائق اتنے نازک ہیں کہ الامان ۔۔۔ حضرات خلفاء اربعہ رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کا دور بلاشبہ رسالت مآب کے بعد سب سے احسن اور اچھا دور ہے ۔۔۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم۔ ارشاد رسالت ہے ۔۔۔ لیکن آپ دیکھیں کہ ابتدائی دو حضرات اور تیسرے خلیفہ راشد کا اکثر حصّہ زمانہ باہمی جوڑ کا تھا تو مسلمان کا ہر قدم آگے کی طرف اٹھا۔ پھر چوتھے خلیفہ راشد رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دور میں اختلاف کی لہر اٹھی تو ترقی کا قدم بالکل رک گیا۔ حالانکہ صحابہؓ کا دور تھا جو سب جنّتی اور رضاء الٰہی کے مستحق ہیں، جن میں سے ہر ایک مجتہد تھا، جن میں سے ہر ایک کی نیت درست اور ہر کوئی دولتِ خلوص سے مالامال تھا، اختلاف تھا لیکن خود غرضی کی بنیاد پر نہیں، اس میں بھی صحیح جذبہ اور صحیح سوچ کارفرما تھی لیکن اختلاف اختلاف تھا۔ پھر جب سیدنا حسن رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے ایثار اور باہمی اتحاد کے جذبہ صادقہ نے امت کے جوڑ کا سامان فراہم کیا اور امام عادل و راشد سیدنا معاویہ رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی قیادت میں امت متحد ہوئی تو امت کی گاڑی پھر رواں دواں ہو گئی۔ اندلس فتح ہوا اتحاد باہمی کی نعمت سے اور برباد ہوا آپس کے انتشار سے، خلافت عثمانیہ تاراج ہوئی عرب و غیر عرب کی باہمی تفریق سے، سلطنت مغلیہ لٹی باہمی انتشار سے اور خود ہمارا پیارا وطن پاکستان دولخت ہوا باہمی عناد اور جھگڑے سے ۔۔۔ الغرض یہ داستان بڑی طویل اور اندوہناک ہے۔ آج چند لاکھ یہودی ہیں، اور کروڑوں مسلمان عرب بھائی ہیں، انہیں ہم تو بھائی کہتے ہیں لیکن وہ آپس میں بھائی بھائی نہیں بنتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ یہودی اکڑتے ہی چلے جا رہے ہیں۔

میرے عزیزو! وقت ہے کہ ہم اتفاق کی برکات اور نااتفاقی سے پیدا ہونے والی پریشانیوں پر غور کریں، جائزہ لیں اور اپنی اصلاح کریں۔

تازہ صورت

تازہ صورت، باہر کی نہیں اپنے اندر کی سوچیں، دیکھیں کیا حال ہے ۷۱ء کے المیہ کے بعد کیا ہوا، ہو رہا ہے؟ ملک کے چار صوبے ہیں، باہم مل کر نہیں بیٹھ سکتے۔ جب سیاسی جماعتوں کی رجسٹریشن کا مرحلہ آیا تو کسی ایک نے رجسٹریشن نہیں کرائی اور جنہوں نے کرائی ان کی تعداد اسّی سے زائد تھی ۔۔۔

فرقہ واریت کا معاملہ زوروں پر ہے۔ عالم اسلام کے نامور قاری جناب عبدالباسط محمد عبدالصمد پاکستان تشریف لائے۔ مختلف شہروں میں انہوں نے حسن قرأت کا مظاہرہ کیا۔ ہمارے یہاں شیرانوالہ بھی آئے، ۲۳ مارچ کے جمعہ کو دن میں ہمارے یہاں آئے رات کو اورنگ زیب مرحوم کی شاہی مسجد میں عظیم اجتماع کے سامنے فن قرأت کا مظاہرہ کیا۔ مختلف روایتوں کا ایسا عدیم النظیر اظہار ایک ہی شخص سے، اس کی توفیق محض رب کا کرم ہے۔ یہ محفل صرف تلاوت کلام الٰہی کی محفل تھی۔

کچھ دن بعد یہ شوشہ سامنے آیا۔ کہ نقل کفر کفر نہ باشد کسی نے حضور ختمی مرتبت کے متعلق نازیبا ایمان سوز اور غلط نعرہ لگایا ۔۔۔ اے کاش! جن لوگوں نے یہ بات گھڑی، انہیں اللہ کا خوف ہوتا، نبی کی شرم ہوتی، اسلام کا درد ہوتا، امت کے اجتماع کا احساس ہوتا۔ انسان پستیوں پہ آتا ہے تو کیا کچھ کر گزرتا ہے۔ اس گھڑے ہوئے نعرہ کی بنیاد پر پھر سارے صوبہ میں ہنگامہ، پوسٹر بازی اور اخبارات میں اشتہارات، جلسے اور کانفرنسوں کا دھندا، گویا سومنات فتح کرنا تھا۔ شیعہ حضرات نے اس پروگرام میں خوب رول ادا کیا اور اپنی ہمدردیوں کا یقین دلایا، حالانکہ شیعوں کا اہلسنت سے بنیادی اختلاف ہے۔ انہی دنوں مرزائیوں نے پورے ملک میں "حرف ناصحانہ" کے نام سے اپنا پمفلٹ تقسیم کیا۔ ان سب باتوں کی کڑیاں ملائیں ۔۔۔ اور سوچیں کہ امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کی یہ مکروہ ترین سازش ہے ۔۔۔ اگر امت انتشار کا شکار ہو گئی تو یہ عذاب ہو گا اور پھر جو مزید آفتیں پڑیں گی، ان کا اندازہ ہی نہیں۔ اس لئے حکومت کو، علماء کرام کو، مشائخ عظام کو، تاجروں کو اور عوام کو میں کہوں گا، درخواست کروں گا کہ "کونوا عباد اللہ اخوانا" اللہ کے بندو! بھائی بھائی بن جاؤ، اسی میں تمہاری عافیت ہے، اسی میں تمہاری بقا ہے۔ اسی میں تمہاری عزت ہے اور اسی سے تمہاری عزت ہے اور اسی سے تم دنیا میں باوقار اور باعزت زندگی گذار سکتے ہو۔

اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو، تمہیں وہ کام کرنے کی توفیق دے جو اللہ کی منشاء کے مطابق ہوں اور اپنی نافرمانی سے بچائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بقیہ: مجلس ذکر

ناخن سنبھال لیتے آپ کا پسینہ محفوظ کر لیتے لیکن آہ کہ آج ہم نے نبی کی ہر سنت، اس کا ہر حکم اور آپ کی ہر ادا کو نظر انداز کر دیا۔ اپنے لایعنی مقاصد، اپنی سیاسی ضرورتوں اور سفلی جذبات کے لئے اتنے گھٹیا طریق سے نبی محترم کا نام استعمال کیا کہ ڈر لگتا ہے، آسمان پھٹ پڑے یا زمین شق ہو جائے۔

یاد رکھو! نبیؐ کی محبت و عظمت ہمارا بنیادی سرمایہ ہے۔ ہمارے دین کی بنیاد اس کا ادب و احترام ہے، ہمارا عروج و اقبال اس کی سنتوں پر عمل کرنے سے وابستہ ہے اور ہماری کامیابی کا راز نبی کے ذریعہ آنے والے دین پر عمل میں مضمر ہے۔

میں واضح الفاظ میں کہتا ہوں کہ نبیؐ کی توہین بڑی بات ہے اس کا تصور بھی کفر ہے اور جن کے سامنے ایسی بات ہوتی ہے۔ وہ غازی علم الدین اور غازی عبدالقیوم بن جاتے ہیں نہ کہ کاغذی شیروں کا سہارا لے کر مجمع بازی کا اہتمام کرتے ہیں۔

اللہ تعالےٰ سے میری دعا ہے کہ رب العزت ہمیں احترام نبوت کی نعمت سے نوازے اور صحیح

بقیہ : احادیث الرسولؐ

کوئی ذمہ داری سنبھالے اور ان ذمہ داریوں کو احسن طریق سے پورا کرے تو وہ شخص خزی و ندامت سے بچ جائے گا۔

اس ضمن میں ایک روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے انہیں فرمایا:۔

"کہ دو شخصوں کی امارت
بھی قبول نہ کرنا اور یتیم
کے مال کا متولّی نہ بننا"

امّت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ بے پناہ افرادی قوت اور مادی وسائل کے باوصف آج جن ا... [illegible] الات کا شکار ہے اس کے اسباب میں ایک نہایت قوی سبب یہ بھی ہے کہ نااہلوں اور کمزور لوگوں کے ہاتھ میں امت کے امور و معاملات آگئے ہیں۔ ملکوں کی ذمہ داریاں ہوں یا سیاسی پارٹیوں کا نظم، علم و معرفت کے حلقے ہوں یا درس و تدریس کے دائرے، سماجی اور معاشرتی سوسائٹیاں ہوں یا کسی اور نوع کی انجمن و مجلس، ہر جگہ کمزور، بودے، قوت فیصلہ سے محروم، جسمانی اور علمی صلاحیتوں سے عاری افراد کا تسلّط ہے ——— دوسری بدنصیبی یہ ہے کہ ایسے افراد کے یمین و یسار کے لوگ حاضرباش، خواجہ تاش اور متعلقین ایسے ہوتے ہیں جن کا کام محض تملّق و خوشامد ہے اور بس ——— اماں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بقول جس امیر و امام یا سربراہ کے حق میں خیر کا فیصلہ ہوتا ہے اسے ایسا وزیر و مصاحب میسّر آتا ہے جو سراپا صدق و راستی ہوتا ہے۔ صاحب بھول جائے تو اسے یاد کرائے، یاد ہو تو اس کی مخلصانہ اعانت کرے۔ بصورت دیگر ایسے وزیر و مصاحب میسّر آتے ہیں جو نہ یاد کرائیں نہ اعانت کریں (ابوداؤد نسائی) جناب ابوذر کو یہ بھی نصیحت ہوتی کہ کسی کی امانت نہ رکھنا اور لوگوں کے درمیان جج نہ بننا ——— کیوں؟ ظاہر ہے پیسہ سو خرابیوں کی جڑ ہے، بڑے بڑوں کا تقویٰ یہاں آکر ڈھیر ہو جاتا ہے اور انصاف و عدالت کا معاملہ ایسا آسان نہیں کہ ہر شخص اس کرسی پر بیٹھ جائے ——— ایک امیر و امام اور سربراہ حدیث کے مطابق ایسا سایہ خداوندی ہوتا ہے جس کے یہاں مظلوم پناہ لیتا ہے (بیہقی) حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہی فرمایا تھا کہ ظالم سے انتقام لے کر چھوڑوں گا اور مظلوم کو حق دلا کر رہونگا ——— ورنہ قیادت اور امارت و امامت کس کام کی ——— اگر کوئی شخص کمزور ہے فیصلہ نہیں کر سکتا، معاملہ سنبھال نہیں سکتا تو مصیبت اور اور اگر اس کے لئے راستہ میں رکاوٹیں کھڑی ہو جاتی ہیں اور وہ متاثر ہو جاتا ہے تو مصیبت۔ ایک رکاوٹ یہ ہوتی ہے کہ آدمی بڑے، چھوٹے، اپنے بیگانے اور اس قسم کے چکروں میں پڑ جائے۔ حضور علیہ السلام نے سابقہ امتوں کی ہلاکت کا راز اسی کو بتلایا کہ وہ حدود الٰہی میں من و تو کا شکار ہو جاتی تھیں۔

بہرحال یہ سب باتیں قابل غور ہیں ——— حکومت، ارباب سیاست، ارباب مدارس، ارباب مجالس و انجمن کے لئے اور ہر اس سوسائٹی و ادارہ کے لئے تاکہ وہ خزی و ندامت سے بچ سکیں۔ اللّٰھم وفقنا لما تحب و ترضیٰ

بقیہ : اداریہ

شد و مد سے جاری رکھی اور جسے دنیا کا کوئی خوف یا کوئی لالچ اپنے راستہ سے نہ ہٹا سکا ——— اس امام الاولین والآخرین اور سیّد کائنات کا کردار ہی اسلام کی عمارت میں عقیدہ کی اہمیت کا سب سے بڑا ثبوت ہے۔

اس لئے حکومت ہو یا علماء ان کا بطور خاص فرض ہے کہ وہ اس طرف توجہ دیں اور بد عقیدگی کے دلدل میں پھنسی ہوئی قوم کو اس مصیبت سے نجات دلانے کی سعی کریں کہ معاشرہ کا حقیقی اتحاد اور امت کا عروج اسی سے وابستہ ہے۔ رب العزت ہمیں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی توفیق دے۔

دین میں تحریف اور بدعت کے اسباب

از ——— حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

مقدمہ

جو صاحب سیاست کبریٰ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا دین لے کر آیا ہو جو تمام ادیان کا ناسخ ہو، اس کے لئے ناگزیر ہے کہ وہ اپنے دین کو فتنۂ تحریف کی دست برد سے محفوظ کر دے۔ کیونکہ اس کی عام اور ہمہ گیر دعوت مختلف استعداد، مختلف مزاج اور مختلف اغراض و مقاصد رکھنے والی جماعتوں کو اپنے جھنڈے تلے جمع کرتی ہے۔

ایسا ہوا کرتا ہے لوگ اپنی ہوا پرستی یا اپنے پہلے مذہب کی محبت کی وجہ سے یا مصالحِ شریعت کا کامل احاطہ نہ کرنے والی فہم نارسا کے اشارہ پر بہت سی منصوص تعلیمات شرع کو پس پشت ڈال دیتے ہیں اور کبھی اس میں غیر شرعی تخیلات اور تعلیمات ٹھونس دیتے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سارا دین مسخ اور درہم برہم ہو جاتا ہے جیسا کہ بہت سے قدیم مذاہب کی تاریخ گواہ ہے۔ لیکن چونکہ اس فتنہ کے دروازے بے شمار اور ان کی تعداد غیر متعین ہے اور سب کا استقصار ممکن نہیں لہٰذا شارعؑ کے لئے ضروری تھا کہ اُمّت کو اجمالاً اسبابِ تحریف سے ڈرا کر متنبّہ کر دے اور اس کے لئے چند ایسے اصولی مسائل کو مخصوص کر لے جن کے بارے میں قیاس کہتا ہے کہ عموماً تہاون اور تحریف کے فتنے بنی نوعِ انسان میں انہیں راستوں سے گھسا کرتے ہیں، اور ان راستوں کو اچھی طرح بند کر دے اور تہدید و انذار کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی شریعت میں ایسی چیزوں کو داخل کرے جو مسخ شدہ اور باطل مذاہب کے اصولی اور مشہور ترین رسوم و شعائر کے بالکل مخالف ہوں مثلاً نماز وغیرہ۔ تاکہ کوئی ظاہری تشابہ باقی نہ رہ جائے اور کسی پرانے مذہب کے شعائر سے مداہنت کا امکان باقی نہ رہے۔

تہاون

تحریف کے اسباب میں سے ایک تہاون ہے۔ یعنی احکام شرع سے بے پروائی۔ تہاون کی حقیقت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ حواریوں کے بعد ایسے ناخلف پیدا ہونے لگیں جو نماز کو ضائع کر کے شہوات کی پیروی میں غرق ہوں۔ علم و عمل اور تعلیم و تعلّم کے ذریعہ دین کی اشاعت کا اہتمام چھوڑ دیں اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ سے کنارہ کش ہو جائیں اور اس طرح چند روز بعد مخالفِ دین رسوم پیدا ہو جائیں اور بحیثیت مجموعی عام طبائع انسانی کا رجحان مزاجِ شریعت کے خلاف ہو جائے۔ پھر ایسے دوسرے خلف آئیں جو شریعت سے بے اعتنائی کے اس جرم میں اور زیادہ آگے بڑھ جائیں یہاں تک کہ علمِ دین کا اکثر حصہ نسیًا منسیا ہو کر رہ جائے۔ یوں تو امت کے ہر طبقہ کا تہاون خطرناک اور مضرت رساں ہے مگر جب اس کا صدور رؤسا و اکابر قوم سے ہو تو پھر اس کی مضرتوں کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ اسی سبب سے حضرت نوح و ابراہیم علیہما السلام کی شریعتیں برباد ہوگئیں اور آج اس کے اصلی خدوخال کا سراغ لگانا قریبًا ناممکن ہو گیا ہے۔

تہاون کے چند اسباب و ذرائع ہیں :۔

۱۔ پہلا سرچشمہ تہاون کا صاحبِ شریعت کی روایات کو محفوظ نہ رکھنا اور ان کے مطابق عمل نہ کرنا ہے۔

مندرجہ ذیل ارشادِ نبوی اسی فتنہ سے باخبر کر رہا ہے:۔

"دیکھو! عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب طعام و شراب سے ایک بدمست انسان اپنے تخت پر بیٹھ کر کہے گا کہ تم اس قرآن کو مضبوط پکڑ لو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ اسی کو حرام سمجھو اور جس چیز کو حلال پاؤ اسی کو حلال سمجھو۔ حالانکہ خدا کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حرام کی ہوئی چیزیں بھی ویسی ہی قطعی الحرمت ہیں جیسی خود اللہ کی حرام کی ہوئی۔"

اسی بات کو دوسری جگہ یوں فرمایا:۔

"اللہ تعالیٰ لوگوں کے سینوں سے علم نہیں اٹھائے گا بلکہ علماء کو اٹھالے گا اور ان کے اُٹھ جانے سے علم اٹھ جائے گا۔ یہاں تک کہ جب کوئی عالم باقی نہ رہ جائے گا اس وقت لوگ جاہلوں کو امام بنا کر ان کی طرف رجوع کرنے لگیں گے۔ ان سے مسئلہ پوچھا جائے گا اور وہ بغیر کسی علم و بصیرت کے فتویٰ دیں گے۔ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہی کے جہنم میں ڈال دیں۔"

۲۔ دوسرا سبب ایسی اغراضِ فاسدہ ہیں جو من گھڑت تاویلات پر آمادہ کرتی ہیں مثلاً نفس پرست امراء و ملوک کی طلب و رضا جس کی وجہ سے انسان اُن کی ہوا پرستیوں کے لئے کلامِ الٰہی کی غلط تاویلیں کر کے سندِ جواز مہیّا کرتا ہے۔ آیت ذیل ایسے ہی ایمان فروشوں کو مخاطب کرتی ہے:۔

"جو لوگ اللہ کے نازل کئے ہوئے احکام کو چھپاتے ہیں اور اس کے عوض تھوڑا سا معاوضہ حاصل کرتے ہیں وہ اور تو کچھ نہیں مگر اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔" (البقرہ۔ رکوع ۲۶)

۳۔ تہاون کا تیسرا منبع منکرات اور فاحشات کا اُمّت میں پھیل جانا اور علماء کا ان پر خاموشی اختیار کر لینا ہے۔ اسی حالت کے متعلق قرآن کہتا ہے:۔

"تم سے پہلے گذرنے والی اقوام میں ایسے اربابِ خیر کیوں نہ ہوئے جو لوگوں کو ارضِ الٰہی میں فساد برپا کرنے سے روکتے (ہاں ایسے لوگ تھے تو سہی) مگر بہت کم تھے جنہیں ہم نے عذاب سے بچا لیا۔ رہے ظالم و نافرمان لوگ تو وہ اسی لذتِ دنیوی میں سرشار رہے جو انہیں دی گئی تھی اور یہ لوگ کچھ تھے ہی بدکردار۔" (ہود۔ رکوع ۱۰)

بنی اسرائیل کی معصیت پرستی پر تبصرہ کرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

"ان کے علماء نے ان کو برائیوں سے روکا لیکن وہ نہ رُکے۔ پھر علماء ان سے قطع تعلق کرنے کے بجائے ان کی مجلسوں میں اٹھنے بیٹھنے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ایک دوسرے سے مار دیا (یعنی سب کو معصیت کی سیاہی کے رنگ میں رنگ دیا) اور داؤد و عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام کی زبان سے ان پر لعنت کی ہے، کیونکہ وہ خدا کی نافرمانی کرتے اور حد سے بڑھ گئے تھے۔"

تعمّق

تحریف کا دوسرا سبب تعمّق ہے یعنی خواہ مخواہ بال کی کھال نکالنا۔ اس کی متعدد صورتیں ہیں مثلاً یہ کہ:۔

۱۔ جب شارع کسی چیز کا حکم دے یا کسی کام سے روکے تو اس کے حکم کو سُن کر کوئی شخص اپنے ذہن کے مطابق خود ایک معنیٰ متعیّن کرے پھر وہی حکم اپنی طرف سے کسی دوسری چیز پر عائد کر دے جو بعض وجوہ سے پہلی شئے کے مشابہ ہو۔ یا دونوں میں کسی پہلو سے اس کو اشتراکِ علّت نظر آئے۔

۲۔ یا ایک شئے کے حکم کو اس کے تمام اشکال اور مظنّات اور اجزاء پر علیحدہ علیحدہ جاری کر دے۔

۳۔ یا جب کبھی روایات کے تعارض کی وجہ سے اصل حکم اور اس کے صحیح محل و وقوع کی تمیز نہ کر سکے تو تمام صورتوں میں سے سخت ترین صورت کو اختیار کر کے اُسے واجب سمجھ لے۔

۴۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل کو عبادت پر محمول کرے (حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ نے بہت سے افعال محض عادت کے طور پر کئے ہیں، عبادت سے ان کا کوئی تعلق نہیں) اور یہ خیال کر کے کہ یہ تمام امور شریعت کی حیثیت رکھتے ہیں اور امر و نہی کے ذیل میں آتے ہیں، حکم لگا دے کہ خدا نے ان کاموں سے روکا ہے اور ان کاموں کا حکم دیا ہے۔ یہ تمام صورتیں تعمّق فی الدین کی ہیں۔ مثال کے طور پر روزہ کے احکام کو لے لو۔ شارع نے جب نفسِ حیوانی کو مغلوب کرنے کے لئے روزہ کا حکم دیا اور اس میں مباشرت سے منع فرمایا تو بعض لوگوں نے سمجھا کہ سحری کھانا بھی خلافِ شرع ہے کیونکہ اس سے روزہ کا مقصد (یعنی نفس کشی) فوت ہو جاتا ہے۔ نیز روزہ دار کے لئے بیوی کا بوسہ لینا بھی ناجائز ہے کیونکہ وہ بھی مباشرت کا داعیہ ہے۔ بلکہ قضائے شہوت میں ایک طرح مباشرت کے مشابہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان خیالات کی اطلاع پہنچی تو آپ نے ان غلطیوں کو واضح فرمایا کہ اس قسم کا قیاس تحریفِ دین ہے۔

تشدّد

تحریف و بدعت کا تیسرا دروازہ تشدّد ہے۔ یعنی ایسی سخت اور شاق عبادتوں کا اختیار کرنا جن کا شارع نے حکم نہیں دیا۔ مثلاً مسلسل روزے رکھنا، ہر وقت نماز و مراقبہ میں مصروف رہنا، تجرّد اختیار کرنا، سنن و آداب کا واجب اور فرض کی طرح التزام و اہتمام کرنا وغیرہ۔

چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہما نے ایسی ہی سخت ریاضتوں کا ارادہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع کرتے ہوئے فرمایا کہ:۔

"جب کوئی شخص دین کے ساتھ سختی برتے گا (اور اپنے نفس کو ناقابلِ برداشت عبادتوں میں مبتلا کرے گا) تو وہ دین کی پیروی سے عاجز ہو جائے گا۔"

اس تعمّق یا تشدّد کو اختیار کرنے والا جب کسی گروہ کا امام اور معلّم بن جاتا ہے تو اس کے مقلد یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ یہ سارے امور جنہیں ان کا امام بطورِ عبادت کے سرانجام دے رہا ہے، شرعی احکام ہیں۔ اس طرح یہ تمام چیزیں جزوِ دین خیال کی جانے لگتی ہیں۔ یہود اور عیسائی راہبوں کی یہی خطرناک روش تھی جس نے دین کو تباہ کر کے رکھ دیا۔

اِستحسان

تیسرا سبب استحسان ہے یعنی جاہلانہ قیاس آرائی۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک شخص شارع کے طریقِ تشریع پر نگاہ ڈال کر دیکھتا ہے کہ وہ ہر مصلحت اور حکمت کے لئے ایک مناسب مظنّہ مقرر کرتا ہے اور ہر ایک مقصد کے حصول کے لئے ایک موزوں قالب معیّن کرتا ہے۔ لیکن چونکہ یہ شخص نگاہِ نبوت کی حقیقت شناسی اور وسعت سے قدرتاً محروم ہوتا ہے اور اسرارِ تشریع کے تمام پہلوؤں کو نہیں دیکھ سکتا۔ اس لئے وہ ایک آدھ مصلحت کو اچک کر اپنی فہم کے مطابق شریعت کی دفعات بنانے لگتا ہے۔ یہود کی مثال تمہارے سامنے ہے انہوں نے خیال کیا کہ شارع نے معاصی سے روکنے کے لئے حدود کا حکم محض اس لئے دیا ہے کہ دنیا میں امن قائم ہو اور معاملات درست رہیں۔ پھ انہیں یہ نظر آیا کہ زانی کے لئے جو سزائے رجم شارع نے مقرر کر رکھی ہے اس سے آج کل اختلاف اور جدال و قتال پیدا ہوتا ہے۔ جو بدترین فساد ہے۔ یہ سوچ کر انہوں نے رجم کی سزا کو مجرم کا منہ کالا کرنے اور کوڑے مارنے کی سزا سے بدل دینا بہتر سمجھا اور ایسا کیا بھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس فعل کو تحریف اور ترکِ احکامِ الٰہی قرار دیا۔

ابن سیرین سے روایت ہے کہ:

"سب سے پہلے ابلیس نے قیاس کیا۔ چاند اور سورج کی پرستش محض قیاس نے کرائی۔"

امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ پڑھ کر فرمایا:۔

"یہاں ابلیس نے قیاس کیا اور وہ سب سے پہلا قیاس کرنے والا ہے۔"

امام شعبیؒ سے منقول ہے کہ:۔

"قسم خدا کی اگر تم نے قیاس سے کام لیا تو حلال کو حرام اور حرام کو حلال کر کے رہو گے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ:۔

"تین چیزیں قصرِ اسلام کو ڈھا دیں گی۔ ایک عالم کی لغزش، دوسری منافق کا قرآن سے استدلال، تیسری گمراہ ائمہ کے احکام۔"

یہ تمام اس قیاس کے متعلق ہیں جس کا سر رشتہ کتاب وسنّت سے نہ ہو۔ بلکہ محض وہمی اور عقلی ہو۔

اتّباعِ اجماع

فتنۂ تحریف کا چوتھا ذریعہ اتّباعِ اجماع ہے۔ اجماع سے مراد یہ ہے کہ حاملین شریعت کا ایک گروہ جس کی اصابت رائے پر عام لوگوں کو اعتقاد ہو کسی چیز پر اتفاق کرلے اور لوگ یہ سمجھیں کہ مجرد یہ اتفاق ہی حجتِ شرعی کی حیثیت رکھتاہے۔ اس قسم کا اتّباعِ اجماع اس وقت تحریف دین کے مترادف ہوجاتاہے جب اس اجماع کی اصل کتاب وسنّت میں موجود نہ ہو۔ اور یہ وہ اجماع نہیں ہے، جس کے حجت ہونے پر امّت کا اتفاق ہے۔ کیونکہ امّت کا اتفاق تو اسی اجماع کے اتباع پر ہے جس کی سند کتاب و سنّت میں موجود ہو یا جو کتاب وسنّت سے مستنبط ہو۔ رہا وہ اجماع جس کی اصل نہ قرآن میں ہو نہ حدیث میں، سو اس کو کسی نے بھی حجّت نہیں مانا۔ بلکہ اس کے اتّباع کی مذمّت میں تو قرآن کہتا ہے کہ:۔

وَاِذَاقِیْلَ لَھُمُ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَ نَا۔

ترجمہ: جب ان سے کہا گیا کہ ایمان لاؤ اس چیز پر جو خدا نے اتاری ہے تو انھوں نے کہہ دیا کہ ہم تو اس طریقہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت سے انکار میں یہود نے جو دلیل پیش کی تھی وہ اسی اتّباعِ اجماع پر مبنی تھی۔ ان کے اسلاف نے بزعم خود ان انبیائے صادقین کے حالات کا تفحّص کیا اور انہیں نبوّت کے معیار پر نہ پایا۔ لہٰذا ان کا انکار ہمیشہ کے لئے ایک برہانِ قاطع بن گیا۔ نصاریٰ کے اندر بھی اسی اتّباعِ اجماع نے بے شمار گمراہیاں پیدا کر رکھی تھیں۔ ان میں توراۃ وانجیل کے خلاف اور ان کے احکام سے زائد صدہا باتیں شریعت کی حیثیت سے موجود ہیں جن کے بارے میں ان کے پاس" اجماعِ سلف" کے سوا اور کوئی دلیل نہیں۔

تقلید

پانچواں سرچشمہ جہاں سے تحریفِ دین کا سیلاب پھوٹتا ہے۔ کسی غیر معصوم (غیر نبی) انسان کی کورانہ تقلید ہے۔ یعنی کوئی عالم دین کسی مسئلہ میں اجتہاد کرے اور اس کے مقلّدین بغیر دلیل وحجّت محض حسنِ ظن کی بنا پر یہ خیال کرلیں کہ امام کا اجتہاد قطعًا یا غالبًا صحیح ہے پھر اس خیال کے ماتحت کسی صحیح حدیث کو اس کے اجتہاد سے رد کردیں۔ یہ تقلید وہ تقلید نہیں ہے جس کے جواز پہ امت مرحومہ کا اتفاق ہے۔ امّت نے مجتہدین کی تقلید کے جواز پر جو اتفاق کیاہے وہ چند قیود کے ساتھ ہے:۔

۱۔ اولاً آدمی کو یہ علم واعتقاد رکھنا چاہیئے کہ مجتہد معصوم نہیں ہے۔ اس کا اجتہاد صحیح بھی ہوتا ہے اور غلط بھی۔

۲۔ ثانیاً اسے ہمہ وقت ارشادِ نبوی کی تلاش میں اس عزم کے ساتھ لگا رہنا چاہیئے کہ جب کبھی کوئی صحیح حدیث اجتہادِ امام کے خلاف مل جائے گی تو وہ امام کی تقلید اس مسئلہ میں ترک کر دے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ کے متعلق فرمایا کہ یہود اپنے علماء ومشائخ کی پرستش نہیں کرتے تھے۔ بلکہ کرتے یہ تھے کہ جس چیز کو یہ لوگ حلال کہہ دیتے اسے وہ بغیر کسی حجّتِ شرعی کے حلال سمجھ لیتے تھے اور جسے یہ حرام کہہ دیتے اسے حرام سمجھ لیتے تھے۔

خلطِ مذاہب

دین کے اندر فتنۂ تحریف کے گھسنے کا چھٹا راستہ مختلف مذاہب اور شرائع کا باہم اس طرح خلط ملط کردینا ہے کہ ایک دوسرے سے متمیّز نہ ہو سکے۔ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک آدمی پہلے کسی اور مذہب کا پیرو رہتا ہے اور اس کے دل ودماغ پر اپنی سابق مذہبی سوسائٹی کے علوم ونظریات پوری طرح حاوی ہوتے ہیں۔ پھر وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے لیکن قلب میں اُن پرانے نقوش کا اثر باقی رہتا ہے۔ انجام کار یہاں بھی وہ ان علوم ونظریات کی توقیر وقبولیت چاہتا ہے خواہ وہ بجائے خود کیسے ہی

(باقی ص ۲۰ پر)

حضرت مولانا حافظ ریاض احمد اشرفی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضور علیہ السّلام کا وسیلہ اور آپ سے استشفاع جائز ہے

نوٹ: حضرت مولانا حافظ ریاض احمد اشرفی رحمہ اللہ تعالیٰ روزنامہ جنگ راولپنڈی میں اسلامی فقہ کے عنوان سے ہر ہفتہ نہایت وقیع کالم لکھتے اور علمی سوالات کے جوابات دیتے ــــ اس مجموعہ میں سے دو اہم مضامین مطبوعہ ۵ مارچ اور ۱۹ مارچ ۱۹۸۰ء پیش خدمت ہیں ایک مضمون ۵ مارچ امروزہ اشاعت میں دوسرا اگلے ہفتہ ملاحظہ فرمائیں۔ (علوی)

دعاؤں میں وسیلہ پکڑنا جائز ہے

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ دعاؤں میں بزرگانِ دین کا وسیلہ ہونا چاہیئے۔ وسیلہ سے کیا مراد ہے؟۔ ہم نے سُنا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضورؐ کی وفات کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ نہیں پکڑا اور حضورؐ کے چچا حضرت عباسؓ کا وسیلہ پکڑا اگر حضورؐ کا وسیلہ جائز ہوتا تو حضرت عمرؓ حضرت عباسؓ کا وسیلہ کیوں پکڑتے۔ بحث مباحثہ سے لوگ دُور ہیں۔ صرف شریعت میں مسئلہ کیا ہے، اسے جاننا چاہتے ہیں۔ بحق فلاں اور بحرمت فلاں دُعا میں کہنا جائز ہے یا حرام؟ سُنا ہے کہ مولانا غلام اللہ خان بھی بحق فلاں کہنے، وسیلہ پکڑنے اور حضور علیہ السلام کے روضۂ اطہر پر سلام پڑھنے کے وقت اس امر کے قائل ہیں کہ حضور علیہ السلام نہیں سُنتے اور وہ اس امر کے بھی قائل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی شفاعت کے لئے عرض کرنا جائز نہیں۔

عمران احمد، ڈنگی کھوئی

الجواب: جس حدیث مبارک کا حوالہ آپ نے دیا ہے، پہلے اُسے غور سے دیکھ لیں پھر مزید کچھ عرض کیا جائے گا۔ بخاری شریف، ابواب الاستسقاء، ج اول جزو ۴ میں ہے "عن انس بن مالك ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کان اذا قحطوا استسقٰی بالعباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ فقال اللھم انا کنا نتوسل الیك بنبینا (بنبیك) صلی اللہ علیہ وسلم نسقینا وانا نتوسل الیك بعم نبینا فاسقنا قال فیسقون (ص۱۳۷)

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ جب قحط پڑتا تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ، حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے (بالعباس) بارش کی دعا کرتے تھے اور یوں کہتے تھے اے اللہ! ہم تیری جناب میں اپنے نبی (یا کہتے تیرے نبی) صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ وسیلہ پکڑ کر دعا مانگا کرتے تھے تو تُو ہم پر بارش نازل فرماتا تھا۔ اور اب ہم وسیلہ پکڑتے ہیں تیری جناب میں اپنے نبی کے چچا کا، پس تو بارش نازل فرما۔ پھر ان پر بارش نازل ہوتی تھی (فیسقون)۔ یہ حدیث مبارک ہے۔ اس میں کہیں بھی یہ منقول نہیں کہ ہم اب حضور علیہ السلام کی وفات کے سبب ان کا وسیلہ پکڑنا چونکہ جائز نہیں سمجھتے اس لئے بمجبوری آپ کے چچا حضرت عباس کو وسیلہ بناتے ہیں۔ اس قسم کی بات تو صرف ایجاد ہی کہلا سکتی ہے۔ حدیث شریف کا دامن اس سے بالکل مبرّا ہے۔ حدیث مبارک سے تو صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی انہوں نے حضور علیہ السلام کا ہی وسیلہ پکڑا کیونکہ اس میں قابل غور جملہ

کہ وانا نتوسل الیک بعم نبینا (اور ہم تیری جناب میں اپنے نبی کے چچا کو وسیلہ بناتے) یہاں بھی فی الحقیقت وسیلہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کیونکہ اس میں عم کو نبی کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہا گیا کہ انا نتوسل الیک بعباس بن عبد المطلب کہ ہم پہلے نبی علیہ السلام کو وسیلہ بناتے تھے اور اب چونکہ وہ وفات پا گئے ہیں اور ان کا وسیلہ ممکن نہیں اس لئے بامر مجبوری عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنانا پڑا۔ غور فرمائیے اس میں بھی فی الحقیقت حضور علیہ السلام ہی کو وسیلہ بنایا گیا ہے کہ حضورؐ کی نسبت کا اظہار کیا گیا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ غیر نبی اور زندہ شخصیت کا وسیلہ بھی کیا جا سکتا ہے۔ اور خاص اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ذوات کا وسیلہ بھی ڈالا جا سکتا ہے اور وسیلہ کا یہ مفہوم بھی ضروری نہیں کہ حضرت عباسؓ کا وسیلہ ڈالنے کا مقصد یہ ہے کہ انہوں نے دعا کی بلکہ اس حدیث میں تو ان کی محض ذات کو وسیلہ و واسطہ پیش کر کے دعا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مانگی ہی ثابت ہوتا ہے۔ یعنی ہم اپنی دعاؤں میں نیک لوگوں کا نام لے کر ان کی ذات کو بطور وسیلہ کے پیش کر سکتے ہیں۔ یعنی یوں کہہ سکتے ہیں کہ یا اللہ فلاں بزرگ کے وسیلہ اور طفیل سے ہماری دعا قبول فرما۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ بعض دوسری احادیث و روایات کی کتب میں یہ بھی موجود ہے کہ پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی اور پھر ان کی درخواست پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے بھی دعا کی۔ جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ہر نیک آدمی بھی دعا مانگے اور دوسرے نیک سے جو اگرچہ درجہ میں مفضول ہو، سے بھی دعا کے لئے کہہ سکتا ہے۔ بڑے یا چھوٹے کا کوئی تفاوت نہیں۔ بخاری شریف کے حاشیہ میں ہے کہ "جب حضرت عمرؓ منبر پر رونق افروز ہوئے تو ان کے ساتھ حضرت عباسؓ بھی تھے۔ پہلے حضرت عمرؓ نے یہ دعا کی اللّٰھم انا نوجھنا الیک بعم نبیک و صنوابیہ فاسقنا الغیث ولا تجعلنا من القانطین۔ اے اللہ! ہم تیرے نبی کے چچا اور اس کے "مثل باپ" کے وسیلہ (پ) سے متوجہ ہوتے ہیں پس (نا پر غور کریں) ہم پر رحمت کی بارش برسا اور ہمیں مایوسیوں میں نہ فرما۔ یہ دعا حضرت عمرؓ نے مانگی اور یہ دعا وہی ہے جو ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ کرم کر مجھ پہ فلاں کے واسطے اور رحم فرما ہم پر سب اولیاء کے واسطے وغیرہ وغیرہ۔ پھر حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ سے فرمایا قل یا ابا الفضل اے ابو الفضل آپ بھی کچھ فرمایئے۔ تو انہوں نے یوں دعا کی" اللّٰھم لم ینزل بلاء الا بذنب ولم یکشف الا بتوبۃ وقد توجہ بی القوم الیک لمکانی من نبیک وھذہ ایدینا الیک بالذنوب ونواصینا بالتوبۃ فاسقنا الغیث (اس کے بعد آسمان سے پرنالوں کی طرح بارش شروع ہو گئی جس طرح پہاڑوں میں نالے بہتے ہیں یہاں تک کہ زمین جل تھل ہو گئی) اس دعا کا مفہوم یہ ہے کہ اے اللہ! مصائب کا نزول گناہوں کے سبب سے ہے۔ اور یہ مصائب توبہ کرنے سے ہی دور ہو جاتے ہیں۔ تیرے نبی پاک کے ساتھ جو مجھے عزت و منزلت حاصل ہے، کے سبب قوم نے مجھے آپ کی جناب میں وسیلہ (توجہ بی القوم) بنایا ہے۔ ہم ہاتھ پھیلائے حاضر ہیں۔ ہمارے ہاتھوں میں گناہ ہیں لیکن توبہ و ندامت سے سر جھکائے حاضر ہیں۔ جو لوگ وسیلہ اور ذریعہ کو دعا میں استعمال کرنے پر اعتراض کرتے ہیں اور اس اعتراض میں اتنے تیز ہو جاتے ہیں کہ یہ تک کہنے میں باک محسوس نہیں کرتے کہ "میاں! کیا اللہ نہیں سنتا! جو تم ان وسیلوں اور ذریعوں کو تلاش کرتے ہو اور یوں ہی مارے مارے پھرتے ہو" وغیرہ وغیرہ۔ یہ باتیں بڑی جرأت کی ہیں اور یہ جرأت ہماری نگاہ میں شریعت مطہرہ کے ساتھ گستاخی کے مترادف ہے۔ بخاری شریف کے اس حاشیہ والی دعا جس میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے یہ جملہ کہہ کر "توجہ بی القوم الیک لمکانی من نبیک" کہہ کر گویا اپنی دعا میں نبی علیہ السلام کا وسیلہ پکڑا۔ اہل علم حضرات لمکانی

من نبیک (بوجہ اس قرب کے جو مجھے تیرے نبی سے حاصل ہے) پر غور فرمائیں۔

احادیث مبارکہ اس پر شاہد ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے ایک دوسرے کو دعا کے لئے کہا۔ خود حضور اکرم علیہ السلام سے دعا کرنے کی درخواست کی گئی تو کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ یہ بزرگ گروہ اور بے مثل جماعت قرآن مجید کو اتنا بھی نہیں جانتی تھی جتنا زمانۂ حال کے اصحاب الرائے اور متجددین جانتے ہیں۔ فالعیاذ باللہ

بخاری شریف کے اسی باب کے اسی صفحہ پر حدیث شریف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن منبر پر جلوہ افروز تھے اور تقریر فرما رہے تھے کہ ایک شخص حاضر ہوا (ظاہر ہے یہ شخص جو جامع مسجد میں حاضر ہوا اور جمعہ کے دن حاضر ہوا۔ اور حضور علیہ السلام سے درخواستِ دعا کی تو یہ شخص مومن اور صحابی ہی ہو گا۔ رضی اللہ عنہ۔ اور یہ شخص آج کل کے مدعیانِ علم کتاب و سنت و عاشقانِ توحید سے تو بہر حال و بالیقین افضل و اعلم ہو گا۔ اور یقیناً وسیلہ سے دعا مانگنے اور براہِ راست دعا مانگنے کے فرق کو بھی بخوبی جانتا ہو گا اور شرک، کفر اور بدعت سے زمانہ رواں کے ماہرین سے زیادہ جاننے کے سبب توحید و سنت کو ممتاز و مبرہن کر ہی سکتا ہو گا) چنانچہ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی اور بقول حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک دن بارانِ رحمت نازل ہوئی کہ تمام علاقے جل تھل ہو گئے۔ اس حدیث مبارک کا یہ جملہ ملاحظہ ہو "یا رسول اللہ ھلک الاموال وانقطعت السبل فادع اللہ ان یغیثنا الحدیث۔ یا رسول اللہ! مال ہلاک ہو گئے اور راستے بند ہو گئے (کھانے کو ملتا نہیں، جس کے سبب اونٹ بھوکے ہو گئے۔ جب وہ بھوکے ہو گئے تو چلنے کے قابل نہ رہے۔ اور تجارت چونکہ انہی کے ذریعے ہوتی ہے اس لئے راستے بند پڑے ہیں کہ چلنے والا ہو تو راستہ کھلا ہونا ظاہر ہو) آپ اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہم پر بارانِ رحمت (یغیثنا) فرمائے۔ ظاہر ہے کہ یہ بھی ذریعہ اور وسیلہ ہی ہے، ورنہ اس صحابی کو حضور علیہ السلام کو کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ براہِ راست ہی اللہ سے مانگنے پر اکتفا کر لیتے تو وسیلہ کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ یہی نہیں بلکہ متعدد احادیث مبارکہ میں ایک دوسرے سے دعا کروانے کا ذکر موجود ہے۔ یہ جو ہم ایک دوسرے کو کہتے سنتے ہیں کہ مجھے اپنی دعوات شبانہ یا شبینہ میں یا بظہر الغیب یاد رکھنا یا مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا یا یہ کہ اپنی دعواتِ صالحہ میں مجھے فراموش نہ کرنا، سب کچھ وسیلہ اور ذریعہ کے درجہ میں ہی ہے۔ اور سب احادیث سے ثابت ہے۔ آپ سے ممکن ہو تو احادیث کی کتاب الدعوات، کتاب البر والصلہ کتاب الاداب اور اس سے ملتے جلتے دوسرے ابواب کا مطالعہ فرمائیں۔ آپ کو انشاء اللہ یہ بھی مل جائے گا کہ حضور علیہ السلام نے بعض صحابہ کو فرمایا لا تنسانی دعاءکم او کما قال علیہ الصلوٰۃ والسلام یا اسی مفہوم کے دوسرے الفاظ کا ملنا کوئی امر محال نہیں۔

اب آپ لفظ وسیلہ پر غور فرمائیں۔ وسیلہ عربی زبان کا لفظ ہے اور اس کے معنی ہیں ذریعہ، تقرب، درجہ اور مرتبہ (اس کی جمع وسائل تو اردو عربی اور اور وُسُل صرف عربی میں مستعمل ہے۔ اب ہر وہ شے جو مقصود تک پہنچائے وسیلہ کہلائے گی۔ قرآن کی تلاوت، اوامر پر عمل، نواہی سے اجتناب، زیر دستوں پر شفقت، لوگوں کے حقوق کی حفاظت، سخاوت، زکوٰۃ کی ادائیگی، نمازوں کی پابندی، فرائض پر عمل، نوافل کی مواظبت، عام عبادات، ذکر الٰہی، نیکوں کی صحبت، بُروں کی اصلاح، معروف پر حکم، نہی کی ممانعت، کسی سے دُعا کی درخواست، دشمن کے مقابل دوستوں سے حمایت طلب کرنا، اللہ تک پہنچنے کے لئے اللہ تک پہنچے ہوئے مشائخ، اولیاء کرام، اساتذہ اور ابرار سے اپنے لئے بہترین احوال کی دُعا کروانا یہ سب کچھ ذریعہ ہے تقرب اور منزلِ مقصود کا اور اسی کا دوسرا مترادف نام وسیلہ، واسطہ ہے۔ اب فرمائیے یہ کیسے اور کس طرح خلافِ اسلام ہو گیا۔ ترمذی شریف جلد دوم ص ۱۹۷ کتاب الدعوات میں ہے "ایک آدمی جو نابینا تھا نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے

لئے عافیت کی دعا فرما دیجئے (ادع اللہ کہا حالانکہ اسے بھی اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِی عَنِّی فَاِنِّی قَرِیبٌ (پ) والی آیت معلوم تھی اور حضور علیہ السلام پر تو نازل ہوئی تھی لیکن نہ تو اس نابینا صحابی نے حضورؐ سے دعا کرانے کو خلافِ قرآن سمجھا اور نہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے خلاف قرآن قرار دیا۔ نامعلوم زمانۂ حال کے "مدعیانِ توحید" کسی سے دُعا کروانے کو کس خدا داد مفہوم کی بنیاد پر کسی بزرگ سے دعا کروانے اور اسے اپنے اور اپنے رب کے درمیان واسطہ، وسیلہ یا ذریعہ بنانے کو خلافِ توحید اور حد ہے کہ مشرکانہ عمل تک قرار دینے میں کیوں باک محسوس نہیں کرتے ؟۔ ان کی حالت قابلِ رحم ہے۔ ان کے لئے دعائے ہدایت کی ضرورت ہے۔ ھداھم اللہ الی صراطہ الاقوم (آمین)

اس پر حضور علیہ السلام نے اسے دعا تعلیم فرمائی۔ اللھم انی اسئلک واتوجہ الیک بنبیک محمد نبی الرحمۃ انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی لی اللھم فشفعہ فی۔ اس حدیث کو امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حسن صحیح غریب قرار دیا ہے۔ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کی صحت اور توثیق میں حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کی تضعیف اور تنکیر کی مطلقاً پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنی کتاب تحفۃ الذاکرین بعدۃ الحصن الحصین من کلام سید المرسلین میں یوں تحریر فرما دیا ہے کہ وفی الحدیث دلیل علیٰ جواز التوسل برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی اللہ عزوجل مع اعتقاد ان الفاعل ھو اللہ سبحانہ وتعالیٰ فانہ المعطی المانع ماشاء کان ومالم یشأ لم یکن (صـ۱۶۲) یعنی اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے روبرو وسیلہ دینے کا جواز ظاہر (دیل) ہے مگر شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کو فاعلِ حقیقی معطی اور مانع اعتقاد کیا جائے کہ وہ جو چاہتا ہے ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا) ظاہر ہے کہ یہی صحیح مسلک ہے۔ اس کے خلاف گمراہی اور ضلالت ہے۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ نے حاکم، نسائی اور طبرانی میں بھی اس حدیث کی موجودگی کو ذکر کرکے یہ تحریر فرمایا ہے۔"

والحدیث صحیح وصححہ

ایضاً ابن خزیمہ۔

مفہوم یہ ہے کہ حدیث صحیح ہے، ان ائمہ کرام نے اسے صحیح قرار دیا ہے۔ یاد رہے کہ علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ ائمہ اربعہ کی تقلید کے قائل نہیں وہ بھی صلحاء کی قبور کے پاس دُعا کرنے کو، بشرطیکہ شرک نہ کیا جائے اور فاسد اعتقاد نہ رکھا جائے، مستحاب فرماتے ہیں (صـ۵۵) سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی صلوٰۃ الحاجۃ میں بھی اس نابینا کی حدیث کو ذکر کیا گیا ہے اور امام ابن ماجہ نے اس حدیث کے آخر میں یوں لکھا ہے قال ابوا ھذا حدیث صحیح (صـ۹۹) شاہ عبدالغنی مجددی رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہما جیسے جبال العلوم کے استاذ حدیث ہیں) نے انجاح الحاجہ حاشیہ ابن ماجہ صـ۹۸ تا ۹۹ پر حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد اسی دعا کو پڑھ کر ایک شخص کا فائز المرام ہوجانا تحریر فرمایا ہے۔ اور بیہقی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے "فقام وقد ابصر" (پس وہ کھڑا ہوا تو اس کی بینائی درست ہوگئی تھی) کی زیارت بھی نقل کی ہے۔ حضرات اکابر علماء دیوبند رحمہم اللہ کے سلاسل طیبہ کے شجرے مطبوع موجود ہیں۔ قصائد قاسمہ، حضرت گنگوہی کے شجرات اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم کے شجرے مل جاتے ہیں۔ کیا ان بزرگوں کو مشرکانہ عقائد کا پرچار کرنے والا قرار دیا جا سکتا ہے۔ ایسا جگر ان کا ہو تو ہو، بندہ تو اس تصور سے بھی آشنا نہیں۔ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا شعر ملاحظہ ہو۔

بہر امداد و بنور حضرت عبدالرحیم
عبد باری عبد ہادی عضد دین مکی ولی

یہ شجرہ چشتیہ صابریہ کا شعر ہے۔ اس شجرہ کے آخری شعر میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

پاک کن قلب مرا تو از خیالِ غیر خویش
بہرِ ذاتِ خود شفایم دہ ز امراضِ دِلی

اس سارے شجرے میں تقریباً چونتیس بزرگانِ کرام کا وسیلہ ڈال کر اپنا مدعا آخر میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر وسیلہ سے دعا مانگنا ناجائز ہوتا تو کیا یہ بزرگ حضرات اس وسیلہ کو یوں استعمال فرماتے یہ سب لوگ شجرہ کی تصنیف کے وقت

بجز حضرت مرشد العالم حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے وفات پا چکے تھے پھر یہ ایک شجرہ ہے، کئی دوسرے شجرے انہی بزرگوں کے موجود ہیں۔ اور ان کے سلسلوں سے منسلک حضرات باقاعدہ ان کا وِرد رکھتے ہیں۔

امید ہے کہ آپ جنگ وجدل اور بحث ومباحثہ کی طرف قدم نہیں بڑھائیں گے بلکہ اپنے آپ کو اکابر کی مشترکہ ومتحدہ تخریجات ومستنبطات کو جو انہوں نے قرآن وسنت کے علم وعرفان کے نتیجہ میں منضبط کردی ہیں، اپنے لئے مشعل راہ بنائیں گے اور وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ اور کُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِیْنَ کو نگاہ میں رکھیں اور اسلاف کرام پر اپنا اعتماد رکھتے ہوئے تشکیک اور دوغلی پالیسی پر ہرگز سوار نہ ہوں گے۔ وفقنا اللہ وایاکم بحرمت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم الف الف مرۃ و بعدد کل ذرۃ والسلام علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ عدد مافی علم اللہ۔

حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مدظلہم نے اپنی مایۂ ناز تفسیر جواہر القرآن کے پ۱۵ صـ۲۳۴ تا صـ۶۴۷ پر مخالفین وسیلہ کی تائید میں بڑے دلائل تحریر فرمائے ہیں، جو قابلِ مطالعہ ہیں۔ انہوں نے حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے موقف کی پرزور تائید کرتے ہوئے جہاں یہ تحریر فرمایا ہے کہ "وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار پر جا کر استشفاع جائز نہیں۔ یہ کام سلف میں سے کسی ایک نے بھی نہیں کیا صـ۶۳۷" وہیں یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ "البتہ بحرمت فلاں دعا مانگنے میں کوئی کلام نہیں، یہ سب کے نزدیک جائز ہے صـ۶۳۷ تا ۵۴" حضرت شیخ القرآن مدظلہم جو پنجاب کے علاقہ میں بالعموم اور علاقہ چھچھ ومضافات راولپنڈی میں بالخصوص علماء دیوبند کے میزبان اور معتمد علیہ سمجھے جاتے ہیں نے "اسی طرح بحقِ فلاں دعا مانگنا بھی مکروہ تحریمی ہے کیونکہ اللہ پر کسی کا کوئی حق نہیں ...... اسی طرح توسل بالذات بھی ثابت نہیں صـ۶۳۵ وصـ۵۴" لکھ کر کلمۂ حق بلند کیا ہے۔ یہ بڑی بہادری اور جرأت کا کام ہے۔ اپنے اسلاف اور خود اپنی تحریر کے خلاف کلمۂ حق بلند کرنا سب سے بڑا اور افضل جہاد ہے۔ الٰہی بحرمت میں بھی تو توسل بالذات ہی ہوتا ہے اور اکابر دیوبند کے منظومہ شجروں میں تو بحق کا عام استعمال ہر پڑھا لکھا دیکھ سکتا ہے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب رجوم المذنبین علی رؤس الشیاطین کا صـ۶۸ ملاحظہ ہو۔ حضرت قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم دیوبند مولانا مولوی محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا شجرۂ منظومہ ملاحظہ فرمائیے:

بحق مقتدائے مقتدایاں، حسن بصری امام پیشوایاں + بحق شیر نیغاں شاہ مرداں، درِ علم لدنی فیض رحماں + بحق آنکہ او جانِ جہاں است، فدائے روضہ اش آسمان است + بحق آنکہ محبوبش گرفتی، برائے خویش مطلوبش گرفتی + بحق سرور عالم محمدؐ بحق برتر عالم محمد + بندہ نے اس شجرہ شریف میں جتنی جگہ لفظ بحق آیا ہے صرف وہ اشعار شجرہ طیبہ کے عرض کئے ہیں۔ یعنی چھ مرتبہ لفظ بحق استعمال کرکے حضرت الامام نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے "مکروہ تحریمی" کا ارتکاب کیا ہے۔ العیاذ باللہ العظیم۔

اس جملہ میں اگر آئندہ ترمیم کردی جائے تو بندہ کے ناچیز خیال میں بہتر ہوگا۔ اگرچہ حضرت شیخ القرآن مدظلہم نے جو "بحق" کے متعلق تحریر فرمایا ہے وہ ہدایہ کی حسب ذیل عبارت کے ظاہر سے مؤید ہے" ویکرہ ان یقول فی دعائہ بحق فلاں او بحق انبیاءک ورسلک لانہ لاحق للمخلوق علی الخالق۔ (صـ۲۱۱ کتاب الکراھیۃ۔ ہدایہ ج۔۴) اور اپنی دعا میں بحق فلاں یا بحق فلاں انبیاء ورسل کہنا مکروہ ہے کیونکہ خالق پر مخلوق کا کوئی حق نہیں" یاد رہے کہ اس عبارت میں لفظ یکرہ ہے اور اس کی مطلقاً توضیح نہیں کہ یہ تنزیہی ہے یا تحریمی ہے۔ بندہ کی رائے میں اسے نہ تو تحریمی قرار دینا چاہیئے اور نہ ہی تنزیہی بلکہ اسے فقط "مکروہ" رہنے دینا بہتر ہے کہ موقع اور محل کے اعتبار سے اسے کبھی اقرب الی الحلال اور موقع ومحل کے اعتبار سے کبھی اسے اقرب الی الحرام قرار دینا مناسب ہے۔ ہمارے عرف یعنی اردو اور فارسی میں یہ لفظ بمعنی طفیل، واسطہ، حرمت بھی اکثر مستعمل ہے۔ صاحب ہدایہ نے حق کے ان معانی کو مکروہ قرار دیا ہے جنہیں انگریزی میں

RIGHT کے معنیٰ میں لوگ بولتے ہیں۔ جیسے ہم یہ کہیں کہ یہ میرا حق ہے، اسے کوئی مجھ سے چھین نہیں سکتا۔ یقیناً اس کے لئے یہ فقرہ کہ انہ لاحق للمخلوق علی الخالق بالکل صحیح اور درست ہے۔ لیکن "حق" بمعنیٰ مرتبہ اور مقام بھی بکثرت مستعمل ہے۔ جیسے یوں کہا جائے بحق فلاں مجھے یہ عطا کر دو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ فلاں کے طفیل اور فلاں کے آپ کے ساتھ تعلق اور لگاؤ کے ذریعہ سے میں یہ چاہتا ہوں۔ ان معنوں میں حق، حرمت، واسطہ اور وسیلہ متقارب المفہوم رہتے ہیں۔ سو ان معانی کے استعمال پر کوئی پابندی نہیں۔ اسے اصطلاح میں معانی مجاز کہا جاتا ہے گو عام حالات میں اس کا بھی ترک اولیٰ وانسب ہے کہ عام آدمی اپنی بدفہمی کے سبب کسی عقیدے کے فساد میں مبتلا نہ ہو۔

مؤلف تفسیر جواہر القرآن حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان بہت بڑے موحد عالم دین ہی نہیں بلکہ استاذ العلماء بھی ہیں اور مسئلہ توحید میں ان کا پایہ بہت بلند اور نمایاں ہے لیکن بڑے ادب واحترام کے ساتھ بندہ کو ان کی اس عبارت سے شدید اختلاف ہے کہ حضور علیہ السلام کی قبر مبارک پر استشفاع جائز نہیں (ص۶۳۶ بنی اسرائیل) اور اس کی تائید میں انھوں نے حافظ ابن تیمیہؒ کا فرمان "واجب الاذعان" بھی "القاعدۃ الجلیلۃ" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ لہٰذا ان سب بزرگوں کو کچھ نہیں کہتا لیکن آپ کے لئے اتنا عرض کرنا ضروری ہے کہ یہ مسلک اکابر علماء دیوبند کا نہیں۔ اکابر علماء دیوبند میں حضرت قطب عالم فقیہ النفس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز (کا وہ مقام ہے کہ حضرت شیخ القرآن مدظلہم کے شیخ ومرشد اور استاذ حضرت مولانا حسین علی واں بھچراں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی ان کے ارشد تلامذہ میں شمار کئے جاتے ہیں) فرماتے ہیں" عرض کرے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مِنْ فُلَانِ بْنِ فُلَانٍ یَسْتَشْفِعُ بِکَ اِلٰی رَبِّکَ (زبدۃ المناسک)

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے نہ صرف اس پر اکتفا فرمایا بلکہ یہ تک بھی لکھا ہے کہ جب سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو سلام عرض کر چکے تو یہ بھی کہے کہ آپ دونوں ہماری طرف سے حضور علیہ السلام کی خدمت میں ہماری سفارش اور شفاعت کے لئے وسیلہ بنیں اور ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اسلام کی ملت پر قائم رکھے۔ (زبدۃ المناسک)

اب کون کہہ سکتا ہے کہ حق کیا ہے؟ کیا وہ جو جواہر القرآن میں درج ہے یا وہ جو امام وقائد اکابر دیوبند حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے۔ کسی پر تنقید وتعریض نہیں۔ لیکن یہ کیسی حنفیت اور دیوبندیت ہے کہ لوگوں کو اکٹھا تو دیوبندیت اور حنفیت کے نام پر کیا جائے اور تعلیمات ومزعومات آزاد خیال علماء اور لاپرواہ اور بے قابو زبان رکھنے والے زعماء کی عام جائیں۔ فَیَا اَسَفٰی عَلَیْھِمْ وَابْیَضَّتْ عَیْنَاکَ مِنَ الْحُزْنِ وَاَنَا کَظِیْمٌ۔

بقیہ: دین میں تحریف ......

بے جان اور بے اصل ہوں۔ حتیٰ کہ بسا اوقات وہ اس کے لئے روایتیں گھڑنے پر اُتر آتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:۔

"بنی اسرائیل برابر راہ اعتدال پر قائم رہے یہاں تک کہ ان میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جو خالص اسرائیلی نہ تھے (باپ اسرائیلی تھا اور ماں دوسری قوم سے) یعنی لونڈی زادے تھے۔ ان لوگوں نے دین میں رائے کو دخل دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خود گمراہ ہوئے اوروں کو بھی گمراہ کر دیا۔"

چنانچہ خود ہمارے دین میں بھی آج بے شمار علوم اس نوع کے داخل ہو چکے ہیں۔ مثلاً اسرائیلی علوم، خطباء جاہلیت کے اقوال، یونان کا فلسفہ، ایران کی تاریخ، علم نجوم، رمل اور علم کلام وغیرہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں جب توراۃ پڑھی گئی تو آپ بہت خفا ہوئے اس خفگی میں یہی راز تھا۔ نیز کتاب دانیالؑ کے طالب کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسی وجہ سے سزا دی تھی۔

وما علینا الّا البلاغ المبین۔

(بشکریہ صدیقی ٹرسٹ کراچی)





امیر المومنین حضرت معاویہ

نام ونسب

اسمِ مُبارک معاویہؓ، آپ عرب کے مشہور ومعروف قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے ہیں جو اپنی شرافت ونجابت اور دوستی میں پورے عرب میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا اسی قبیلہ کو یہ شرف حاصل تھا کہ اس میں آقائے دوجہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے حضرت معاویہؓ قریش کے اس نامور خاندان بنو اُمیّہ سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت معاویہؓ کے والد، حضرت ابوسفیانؓ اسلام لانے سے قبل ہی اپنے خاندان میں ممتاز حیثیت کے مالک اور قبیلہ کے معزز سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ حضرت معاویہؓ کا شجرۂ نسب یہ ہے۔

ابوسفیان بن حرب بن اُمیّہ بن عبدالشمس بن عبدالمناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (الملقب بہ قریش) بن مالک بن نضر۔"

ولادت

امیر المومنین حضرت معاویہؓ کی ولادت بعثتِ نبویؐ سے پانچ (۵) سال قبل ہوئی (۶۰۵ء[1])

قبول اسلام

آپؓ ظاہری طور پر فتح مکّہ کے موقع پر ایمان لائے۔ مگر درحقیقت آپؓ اس سے قبل ہی اسلام قبول کر چکے تھے۔ لیکن بعض مجبوریوں کی بناء پر ظاہر نہ کیا تھا۔ مشہور مورخ واقدی کہتے ہیں کہ آپ صلح حُدیبیہ کے بعد ہی ایمان لے آئے تھے۔ مگر آپ نے اپنے اسلام کو چھپائے رکھا۔ اپنے اسلام کو چھپائے رکھنے اور فتح مکّہ کے موقع پر ظاہر کرنے کی وجہ خود حضرت معاویہؓ نے بیان کی ہے۔ چنانچہ فاضل مورخ ابن سعد کا بیان ہے کہ حضرت معاویہؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں عمرۃ القضا سے پہلے اسلام لے آیا تھا، مگر مدینہ جانے سے ڈرتا تھا کیونکہ میری والدہ کہا کرتی تھیں کہ اگر تم گئے تو ہم ضروری اخراجاتِ زندگی دینا بھی بند کر دیں گے۔ اس عذر اور دوسری مجبوریوں کی بناء پر آپ نے اپنے والد کے ہمراہ فتح مکّہ کے موقع پر اسلام لانے کا اعلان کیا[1] یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ بدر، اُحد، خندق اور غزوۂ حُدیبیہ میں آپ کفار کی جانب سے شریک نہ ہوئے، حالانکہ اس وقت آپ جوان تھے، آپ کے والد ابوسفیان سالار کی حیثیت سے شریک ہو رہے تھے اور آپ کے ہم عمر جوان بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کے خلاف جنگ میں حصّہ لے رہے تھے، اِن تمام باتوں کے باوجود آپ کا شریک نہ ہونا ظاہر کرتا ہے کہ اسلام کی حقانیت ابتداء ہی سے آپ کے دل میں گھر کر چکی تھی۔[2]

تعلیم وتربیت

ماں باپ نے آپ کی تربیت خاص طور پر کی اور مختلف علوم وفنون سے آپ کو آراستہ کیا اور اُس دور میں جبکہ لکھنے پڑھنے کا رواج بالکل نہ تھا اور عرب پر جاہلیت کی گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی آپ کا شمار مالدار لوگوں میں ہوتا تھا[3]

دیگر حالات

جلیل القدر صحابی امیر المومنین حضرت معاویہؓ عالمِ اسلام کی ان گنی چنی ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کے احسان سے یہ اُمّت مسلمہ سبکدوش نہیں ہو سکتی۔ آپ اُن چند کبار صحابۂ کرامؓ میں سے ہیں جن کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سیدہ عائشہ صدیقہؓ سیدہ فاطمہؓ بنتِ رسولؐ (تیسری صاحبزادی) اور امیر المومنین معاویہؓ کی پیدائش ایک ہی سال کی ہے صرف چند ماہ کا فرق ہے۔ بحوالہ کتاب المختصر صفحہ ۷

[2] ابن حجر۔ الاصابہ ص ۴۱۲ ج ۳ مطبوعہ مصر ۱۳۲۸ھ [3] ابن کثیر البدایۃ والنہایۃ ص ۲۱ جلد ۸ مطبوعہ مصر ۱۹۳۹ء

کی خدمت میں مسلسل حاضری اور حق تعالیٰ کی جانب سے نازل شدہ وحی کو لکھنے کا شرف حاصل ہے پھر آپ اسلامی دنیا کی وہ مظلوم ہستی ہیں جن کی خوبیوں اور ذاتی محاسن و کمالات کو نہ صرف نظر انداز کیا گیا بلکہ اُن کو چھپانے کی پیہم کوششیں کی گئیں، آپ پر بے بنیاد الزامات لگائے گئے، آپ کے متعلق ایسی باتیں گھڑی گئیں اور اُن کو پھیلایا گیا جن کا کسی عام صحابی سے تو درکنار کسی شریف انسان میں بھی پایا جانا مشکل ہے۔

امیر المومنین حضرت معاویہؓ کے خلاف جس شدّومد کے ساتھ پروپیگنڈے کا طوفان کھڑا کیا گیا، اس کی وجہ سے آپ کا وہ حسین و ذاتی کردار نظروں سے بالکل اوجھل ہوگیا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے پیدا کیا تھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ آج دنیا حضرت معاویہؓ کو بس جنگ صفین کے قائد کی حیثیت سے جانتی ہے لیکن وہ حضرت معاویہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور نظر تھے، جنہوں نے کئی سال تک آپؐ کے لئے کتابتِ وحی کے اہم اور نازک فرائض سرانجام دیئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے علم و عمل کے لئے بہترین دعائیں لیں۔ جنہوں نے حضرت عمر فاروقؓ جیسے خلیفہ کے زمانے میں اپنی قائدانہ صلاحیتوں کا لوہا منوایا، اور جنہوں نے تاریخ اسلام میں سب سے پہلا بحری بیڑا تیار کیا، اپنی عمر کا بہترین حصہ رومی عیسائیوں کے خلاف جہاد میں گزارا، اور ہر بار اُن کے دانت کھٹے کئے۔ آج دنیا ان کو فراموش کرچکی ہے۔ لوگ تو یہ جانتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ وہ ہیں جن کی حضرت علیؓ کے ساتھ جنگ ہوئی تھی۔ لیکن قبرص، روڈس، صقلیہ اور سوڈان جیسے اہم ممالک کس نے فتح کئے؟ سالہا سال کے باہمی خلفشار کے بعد عالم اسلام کو پھر سے ایک جھنڈے تلے کس نے جمع کیا؟ جہاد کا جو فریضہ تقریباً متروک ہوچکا تھا اسے ازسرنو کس نے زندہ کیا؟ اور اپنے عہد حکومت میں نئے حالات کے مطابق شجاعت و جواں مردی، علم و عمل، حلم و بردباری، امانت و دیانت اور نظم و ضبط کی بہترین مثالیں کس نے قائم کیں؟ یہ ساری باتیں وہ ہیں جو پروپیگنڈے کی غلیظ تہوں میں چھپ کر رہ گئی ہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کتابت وحی کا کام جتنا نازک تھا اور اس کے لئے جس احساس ذمہ داری امانت و دیانت اور علم و فہم کی ضرورت تھی وہ محتاج بیان نہیں۔ چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مسلسل حاضری کتابت وحی، امانت و دیانت اور دیگر صفات محمودہ کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار آپ کے لئے دعا فرمائی۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:۔

اے لوگو! تم میرے بعد آپس میں فرقہ بندی سے بچنا اور اگر تم نے ایسا کیا تو سمجھ لو معاویہؓ شام میں موجود ہیں۔

حضرت قبیصہ بن جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا قول ہے:۔

میں نے کوئی آدمی ایسا نہیں دیکھا جو (حضرت) معاویہؓ سے بڑھ کر بُردبار، ان سے بڑھ کر سیادت کا لائق، ان سے زیادہ باوقار، ان سے زیادہ نرم دل اور نیکی کے معاملہ میں اُن سے زیادہ کشادہ دل ہو

اس کے علاوہ اُن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اور عقیدت کا بخوبی اندازہ یہاں سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ انہوں نے آپؐ کے ناخن مبارک ایک شیشی میں محفوظ کئے ہوئے تھے اور وصیت کی تھی کہ جب میرا وصال ہو تو وہ ناخن میرے منہ میں ڈال دینا تاکہ اُن کی برکت سے اللہ مجھے بھی نارِ جہنم سے نجات عطا فرمائے۔

ان روایات سے قطعی طور پر یہ ثبوت مہیا ہوتا ہے کہ نہ صرف صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین بلکہ پوری اُمّت مسلمہ میں آپ کی فضیلت مسلّم ہے۔ اس کے علاوہ ایک حدیث میں خود سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ہے کہ "میرے تمام صحابہ حق و انصاف پر ہیں" تو پھر کس طرح کسی صحابی پر انگلی رکھنے کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ پس نتیجۃً یہ بات ام نشرح ہے کہ صحابہ کرامؓ آپکے متعلق کیا رائے رکھتے اور ان کی نظر میں آپ کا کیا مرتبہ تھا؟ قارئین کرام خود فیصلہ کریں۔

شمائل وخصائل

آپ ایک وجیہہ اور خوبصورت انسان تھے۔ رنگ گورا تھا۔ اور چہرہ پُروقار و بردبار تھا۔ حضرت مسلمؓ فرماتے ہیں کہ معاویہؓ ہمارے پاس آتے اور وہ لوگوں میں سب سے زیادہ خوبصورت اور حسین تھے۔ اس ظاہری حسن و جمال کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سیرت کی خوبیوں سے نوازا تھا۔ چنانچہ ایک بہترین عادل حکمران میں جو اوصاف ہوسکتے ہیں وہ سب آپ کی ذات میں موجود تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ تم

قیصر و کسریٰ اور ان کے علم و دانش کی تعریف کرتے ہو، حالانکہ تم میں معاویہؓ موجود ہیں۔

آپ اس درجہ کے حلیم اور بردبار تھے کہ آپ کا حلم ضرب المثل بن گیا اور آپ کے تذکرہ کے ساتھ حلم کا تصور اتنا لازم ہوگیا کہ بغیر اس کے آپ کا تذکرہ نامکمل ہے۔ آپ کے مخالفین آپ کے پاس آتے اور بسا اوقات انتہائی نازیبا رویہ اختیار کرتے اور سخت کلامی کے ساتھ پیش آتے۔ مگر آپ اسے ہنسی میں ٹال دیتے یہی وہ حسن سلوک تھا جس نے بڑے بڑے سرداروں اور مخالفین کو آپ کے سامنے سرنگوں ہونے پر مجبور کردیا۔ مگر یہ سب حلم اور بردباری تو اس وقت تک ہوتی تھی جب تک دین اور سلطنت کے اُمور پر زد نہ پڑتی۔ اسی وجہ سے اگر کہیں سختی کرنے کا موقعہ ہوتا تو سختی بھی فرماتے اور اصولوں پر کسی قسم کی مداہنت برداشت نہ کرتے۔

عشق نبی صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر گہرا تعلق اور عشق تھا کہ ایک مرتبہ آپ کو پتہ چلا کہ بصرہ میں ایک شخص ہے۔ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بہت مشابہت رکھتا ہے۔ آپ نے وہاں کے گورنر کو خط لکھا کہ تم فوراً اسے عزت و اکرام کے ساتھ یہاں روانہ کردو۔ چنانچہ اسے پورے آداب و اکرام کے ساتھ لایا گیا۔ آپ نے آگے بڑھ کر اس کا نہایت پرتپاک طریقہ سے استقبال کیا، اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور اس کو خلعت و انعامات سے نوازا۔

خشیّتِ باری تعالیٰ

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جن سے آپ کے اندر خوف و خشیت ایزدی اور فکرِ آخرت کا بھی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ آپ مواخذۂ آخرت کے خوف سے لرزہ براندام رہتے تھے۔ اور اس کے عبرت آموز واقعات سُن کر زار و قطار روتے تھے۔

سادگی اور فقر و استغنا

حضرت معاویہؓ کے مخالفین نے اس بات کا پروپیگنڈہ بڑی شدّومد کے ساتھ کیا ہے کہ آپ ایک جاہ پسند انسان تھے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے آپ کو دمشق کی جامع مسجد میں خطبہ دیتے ہوئے دیکھا کہ آپ کے کپڑوں پر پیوند لگے ہوئے ہیں یہ تو آپ کی طبعی سادگی اور استغنا کی شان تھی مگر شام کی گورنری کے دوران آپ نے ظاہری شان و شوکت کے طریقے بھی اختیار کئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ علاقہ سرحدی علاقہ تھا اور آپ چاہتے تھے کہ کفار کے دلوں پر مسلمانوں کی شان و شوکت کا دبدبہ قائم رہے۔

وفات

۶۰ھ میں جب کہ آپ کی عمر اٹھہتر دیں منزل سے گزر رہی تھی۔ طبیعت ناساز ہوئی اور پھر برابر بگڑتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ چند روز علیل رہ کر اسلام کا یہ بطلِ جلیل اپنے رفیقِ اعلیٰ سے جا ملا! "اِنّا لِلّٰہِ وَاِنّا اِلَیہِ رَاجِعُون"

آپ کے خطوط

نعرۂ رسالت

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

مکرمی ومحترمی جناب مدیر صاحب ہفت روزہ خدام الدین لاہور!

السلام علیکم۔ دنیا کی مختلف قومیں جنگ وجدل کے وقت اپنی بہادری اور جوش وخروش کے اظہار کے لئے اپنی اپنی روایات کے مطابق مختلف قسم کے نعرے بلند کرتی رہی ہیں۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمان جہاد کے لئے جاتے وقت اور جہاد کرتے ہوئے نعرہ تکبیر بلند کیا کرتے ہیں اور آجکل بھی جنگوں میں ایسا ہی ہوتا ہے نعروں کی حقیقی جگہ ویسے بھی میدانِ جنگ میں ہوتی ہے

برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں میں مذہبی فرقہ بندی دوسرے مسلم ممالک سے زیادہ ہی ہے مختلف بدعات بھی اسی خطہ میں پیدا ہو کر فروغ پا چکی ہیں انہی حالات اور باہمی مذہبی اختلافات نے مسجدوں۔ جلسے جلوسوں اور مذہبی اجتماعات میں نعرہ بازی کو جنم دیا ہے یہاں پر ان جگہوں میں نعرہ بازی کا زیادہ تر مقصد کسی مقرر کو اس کی اچھی تقریر پر داد دینا اور دوسرے فرقے کے لوگوں کو اپنا جوش وخروش دکھانا ہوتا ہے۔ حالانکہ مساجد میں نعرہ بازی آداب مساجد کے بھی خلاف ہے۔

اہل سنت والجماعت کے دونوں فرقے دیوبندی اور بریلوی جو دونوں ہی اپنے آپ کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا پیروکار کہتے ہیں نعرہ تکبیر۔ اللہ اکبر پر متفق ہیں اور نعرہ تکبیر ان کا مشترکہ نعرہ ہے مگر نعرہ رسالت۔۔۔ "یارسول اللہ" میں اختلاف ہے۔ بریلوی حضرات کو جتنا یہ نعرہ مرغوب ہے دیوبندیوں کو اس سے اتنی ہی چڑ ہے۔ دونوں فرقوں کے اس نعرہ پر حقیقی اختلاف کو نظر انداز کر کے دیکھا جائے تو نعرہ رسالت کا جواب یارسول اللہ کچھ بامقصد اور بامعنی نظر نہیں آتا۔ نعرہ تکبیر کے جواب میں اللہ اکبر کہا جاتا ہے جو اپنے عظیم معنی رکھتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی کا ذکر ہے مگر نعرہ رسالت کے جواب میں "یارسول اللہ" کہنے سے نہ ہی تو کوئی عبادت ہوتی ہے اور نہ ہی رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰؐ احمد مجتبےٰ کی کوئی شان بیان ہوتی ہے۔ بار بار "یارسول اللہ" "یارسول اللہ" کہہ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا تو جاتا ہے۔ مگر اس کے بعد ان سے کوئی گذارش نہیں کی جاتی انہیں کوئی تکلیف نہیں بتائی جاتی جس سے انہیں پکارنا لایعنی ہو جاتا ہے۔ یہی حال بریلوی حضرات کے دوسرے نعروں کا ہے۔

مکرمی! دنیائے اسلام خصوصاً پاکستان کے مسلمانوں کو جس قدر اتحاد واتفاق کی آج ضرورت ہے اس سے پہلے نہ تھی۔ پاکستان کے بیرونی اور اندرونی حالات کا تقاضا ہے کہ سب مسلمان اپنے اختلافات ختم نہیں کر سکتے تو کم از کم ضرور کر دیں۔ غیر متفقہ نعرہ بازی سے ایک دوسرے کے خلاف نفرت بڑھتی ہے اور اختلافات کی خلیج وسیع ہو کر اختلافات کو مزید ہوا ملنے کا سبب بھی بنتی ہے۔ مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دیئے جانے کے مسئلے نے سب مسلمانوں کو یکجا کر دیا ہے۔ دیوبندی۔ بریلوی شیعہ اور اہل حدیث علمائے کرام میں اس وقت قابل رشک اتفاق اور ہم آہنگی ہے۔ خدا کرے سب مسلمانوں کا یہ اتحاد ہمیشہ کے لئے قائم دائم ہو جائے اور وہ باہم رواداری سے کام لے کر متنازعہ فیہ مسائل حل کر لیں۔ علمائے کرام کے لئے یہ سنہری موقع ہے کہ مسلمانوں کو متحد کرنے کی کوشش کریں۔

مسلمانوں کو متحد کرنے اور ان کے باہمی اختلافات کم کرنے کے لئے میں تجویز کرتا ہوں اور اس کا آغاز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس اور مبارک نعرۂ رسالت سے کیا جائے۔ نعرہ رسالت کے جواب میں یارسول اللہ کی بجائے "محمد رسول اللہ" اپنایا جائے۔ "محمد رسول اللہ" کہنے سے حضرت محمدؐ کی شان بیان ہوتی ہے یہ نعرہ تکبیر۔۔۔ اللہ اکبر میں توحید کا ذکر ہے تو نعرہ رسالت۔۔۔ "محمد الرسول اللہ" میں رسالت کا۔ توحید اور رسالت پر ایمان ہی مسلمانوں کی بنیاد ہے۔ دیوبندی حضرات سے گذارش ہے کہ وہ اس نعرہ کو اپنا لیں اور بریلوی حضرات سے التجا ہے کہ وہ نعرہ رسالت میں ترمیم کر کے بہتر نعرہ اختیار کریں تاکہ حنفی عقیدہ والوں میں نعرہ تکبیر کے ساتھ ساتھ نعرہ رسالت بھی مشترک بن جائے۔ والسلام

حفیظ الرحمان واہ کینٹ ۲۱/۵۷۴ الیف

لا الٰہ الا اللہ

طیب احمد تاجؔ

یقین و علم و خبر لآ الٰہ الّا اللہ
نشاطِ قلب و جگر لآ الٰہ الّا اللہ
نجوم و شمس و قمر لآ الٰہ الّا اللہ
وفورِ شوق کا حاصل، نگاہِ عشق کا نور
تجلیات کا خالق ہے حق تعالیٰ حرف
ہر ایک رنگ ہے نغمہ، ہر ایک نکہت کیف
وہی ہے رازقِ مطلق۔ وہی ہے ربِّ جہاں
اُسی کا پڑھتے ہیں کلمہ خلائقِ عالم
شہود و غیب کی ہر شے کا ہے وہی معبود
اُسی کے اذن سے ہے ہست و بود اور فنا
وہی ہے مالکِ تقدیر، لاشریک لہٗ
ہیں ابتلا کے اندھیرے قدم قدم پہ مگر
اُسی کا سکّہ رواں ہے ازل سے تا بہ ابد
ہزار کبر کے دعوے کئے ہیں دنیا نے
یہ آسماں یہ زمیں، یہ فضائے نیل و نہار
یہ آبجو کے ترانے، یہ گلعذارِ جمال
ہر ایک پتّہ ہے اک معجزہ خرد کے لیے
ہر ایک غنچہ ہے اک شاہکار قدرت کا
عجیبؔ وحدتِ فطرت ہے تاجؔ ہر شے میں
مزاجِ دشت ہے ہم رنگِ گلستاں لاریب
وہ جس نے ذرّہ میں رکھی ہے تابکاری مہر
اُس نے دل کو دیا سوز، روح کو نغمہ
ہزار نغمۂ توحید کے مضامیں ہیں
نثارِ وحدہٗ ہیں اے تاجؔ ہمنوا میرے

مآلِ فکر و نظر لآ الٰہ الّا اللہ
قرارِ دیدۂ تر لآ الٰہ الّا اللہ
نہ بحر و بر نہ شجر لآ الٰہ الّا اللہ
نہ برق ہے نہ شرر لآ الٰہ الّا اللہ
ملک نہ جنّ و بشر لآ الٰہ الّا اللہ
سرودِ شام و سحر لآ الٰہ الّا اللہ
وہی ہے مہرِ نظر لآ الٰہ الّا اللہ
وہ پھول ہوں کہ ثمر لآ الٰہ الّا اللہ
بہ حرف و شرحِ دگر لآ الٰہ الّا اللہ
اُسی کا سب پہ اثر لآ الٰہ الّا اللہ
اُسی سے نفع و ضرر لآ الٰہ الّا اللہ
ہے شمعِ راہ گزر لآ الٰہ الّا اللہ
نہیں ہے اس سے مفر لآ الٰہ الّا اللہ
ہیں سب ہی زیر، زبر لآ الٰہ الّا اللہ
ہیں کس کے دست نگر؟ لآ الٰہ الّا اللہ
فروغِ سمع و بصر، لآ الٰہ الّا اللہ
کیا ہے غور اگر لآ الٰہ الّا اللہ
نثار! فکر و نظر، لآ الٰہ الّا اللہ
ہے قطرہ قطرہ گہر لآ الٰہ الّا اللہ
ہے آبؔ[1] نارِ سقر لآ الٰہ الّا اللہ
کمال! اُس کا ہنر لآ الٰہ الّا اللہ
متاعِ کیفِ اثر لآ الٰہ الّا اللہ
لطیف تر ہے مگر لآ الٰہ الّا اللہ
ہیں کاروانِ[2] سحر لآ الٰہ الّا اللہ

وہی ہے مالکِ کُل، مَیں ہوں جس کا عبد اے تاجؔ
مرا ہے زادِ سفر لآ الٰہ الّا اللہ!

---

[1] آب، جلنے اور جلانے والی دو ہواؤں کا مرکب ہے۔ [2] کاروانِ سحر: نسیم، خوشبوئیں، طیور

"چراغ و مسجد و محراب و منبر"

غلام صابر قدیری سندیلوی

مجھے گھیرے ہوئے تھا غم کا لشکر
جدھر مَیں دیکھتا تھا آنکھ اٹھا کر
جو دیکھا حال میرا زار و ابتر
نہ گھبرا اے اسیرِ یاس و حسرت
چراغ و مسجد و محراب و منبر
جنہیں کہتے ہیں سب صدیقِ اکبرؓ
عمرؓ کا مرتبہ اللہ اکبر
سخاوت اور حیا ہے ختم جن پر
علیؓ شیرِ خدا جانِ پیمبرؐ
چراغ و مسجد و محراب و منبر
امامِ عاشقانِ روئے انور
دعا کس کے لیے کرتے تھے شب بھر
حیا کرتی رہے گی ناز کس پر
جو ہجرت میں نبیؐ نے چھوڑا بستر
اگر دیکھو گے تاریخِ زمانہ
چراغ و مسجد و محراب و منبر

چمکتی تھی ستم کی تیغ سر پر
نہ مونس تھا مرا کوئی نہ یاور
تو بولی رحمتِ محبوبِ داور
سکونِ دل کی خاطر یہ پڑھا کر
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ
وہ بعد از انبیا ہیں سب سے بہتر
لرز اٹھتے تھے کافر نام سُن کر
وہ ہیں عثمانؓ محبوبِ پیمبرؐ
مسلمان ان پہ قرباں ہیں یہ کہہ کر
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ
رفیقِ ساقیٔ تسنیم و کوثر
ہے دیکھو کون مطلوبِ پیمبرؐ
سخاوت سرنگوں ہے کس کے در پر
ہوا ہے کون محوِ خواب آ کر
تو پاؤ گے لکھا ہر ہر ورق پر
ابوبکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و حیدرؓ

نہ بخشے گا خدا روزِ قیامت
سرِ محشر انھیں ہو گی یہ حسرت
چراغ و مسجد و محراب و منبر
دلِ مسلم پہ، مومن کی جبیں پر
درِ فردوس پر، لوح و قلم پر
چراغ و مسجد و محراب و منبر
رُخِ صدیقؓ پر قربان جاؤں
غمِ عثمانؓ میں اشکِ خوں بہاؤں
چراغ و مسجد و محراب و منبر
نہ دنیا دے نہ دولت دے نہ زر دے
خدایا مجھ پر اتنا فضل کر دے
چراغ و مسجد و محراب و منبر

انھیں جن کو ہے انکارِ خلافت
یہ پڑھتے کاش ہم دُنیا میں رہ کر
ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ
کتابِ روئے اربابِ یقیں پر
لکھا ہے رفعتِ عرشِ بریں پر
ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ
عمرؓ کے عشق میں ہستی مٹاؤں
علیؓ پر جان دیدوں میں یہ کہہ کر
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ
صحابہؓ کی محبت دل میں بھر دے
اجل آئے تو یہ شعر ہو لب پر
ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و حیدرؓ

وہی صابر مقرب ہے خدا کا
مگر عشقِ نبی کی شرط یہ ہے
چراغ و مسجد و محراب و منبر

جو عاشق ہے محمد مصطفیٰؐ کا
صحابہ پر تصدیق ہو یہ کہہ کر
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حیدرؓ